غفلت کے برابر

ابرار احمد



غفلت کے برابر

ابرار احمد

ماورا

ماورا

ضابطہ

باراوّل	:	۲۰۰۷ء
کمپوزنگ	:	ماورا کمپوزنگ
ناشر	:	ماورا پبلشرز' لاہور
طابع	:	شرکت پرنٹنگ پریس' لاہور
قیمت	:	-/250 روپے

MAVRA BOOKS
60-The Mall, Lahore.
Ph: 6303390 - 6304063
Mob: 0300-4020955
0333-4224788
E-mail-mavrabooks@yahoo.com

والدین کے نام

آنکھیں تھیں چاہتوں بھری، چہرے جو مہربان تھے
اب وہ نظر نہ آئیں گے، اب انہیں بھول جائیے

□□□

شاعری میرا طرزِ زندگی کیوں ہے، میں نہیں جانتا۔ پابلو نیرودا نے درست کہا تھا کہ یہ انجان گلی کا بلاوا ہے۔ بہت ابتدائی برسوں میں مجھے بھی اسی انجان گلی سے پکارا گیا اور میرے اندر کوئی غیر واضح سی تبدیلی پیدا ہوئی۔ میں بھٹکنے لگا کسی ان دیکھی، ان جانی بے چینی کے دباؤ میں اور تا حال بھٹک رہا ہوں۔ میرے نزدیک یہ ایک بے سمت طرزِ زندگی ہے جسے ایک نوع کی ذمہ دارانہ بے راہروی بھی کہا جا سکتا ہے۔ اپنے آپ اور اپنے معروض سے بامعانی علیحدگی۔

زندگی مجھے سمجھ نہیں آئی۔ اس کی حقیقت، اس کے جواز پر غور کرتے چلے جانے کا اذیت ناک دور طویل اور سخت صبر آزما تھا۔ خود کو زندہ رہنے پر آمادہ کرنے کے لیے مجھے بہت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ بہت سے جھوٹ، سچ کی طرح تسلیم کرنا پڑے۔ بالآخر میں نے اس لایعنیت کو قبول کر لیا ہے۔ زندگی لاکھ Absurd سہی، اس سے پرے تو اور بھی Absurdity ہے۔ مٹی کی حقیقت۔ ہونا شاید اسی لیے نہ ہونے سے زیادہ قابل قبول لگتا ہے۔

کامیو نے کہیں لکھا ہے کہ اُس شخص کی جلاوطنی لاعلاج ہوا کرتی ہے جس کے پاس نہ تو کسی گم شدہ گھر کی یادیں ہوں اور نہ مستقبل میں کسی خوشگوار زمین کے حصول کا خوش کن وعدہ۔ میرے پاس کم از کم ایک گم شدہ گھر کی تمام تر یادیں تو موجود ہیں، اپنی پوری آب و

تاب کے ساتھ۔شاید اس لیے میری جلاوطنی کو مختلف ٹھکانوں میں کہیں اماں مل جاتی ہے۔

زندگی جو میں بظاہر جی رہا ہوں، اس میں کوئی عنصر ایسا ہے جو میرے اندر تعلق اور لاتعلقی کو ساتھ ساتھ لے کر چلتا رہتا ہے۔ ایک اور طرح کا وجود میرے اندر پھلتا پھولتا، حرکت کرتا، پریشان کرتا اور میری اصل حقیقت کو ہمیشہ یاد دلائے رکھتا ہے، ٹھیک سے رہنے نہیں دیتا۔ایک بے پناہ اُجاڑ میرے اندر ہمیشہ خیمہ زن رہا ہے۔میرا شاید ہی کوئی ایک دن اس غیر واضح دل گرفتگی سے آزاد گزرا ہو۔اس کی کیا وجہ ہے، مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی۔ بے معنویت، لاحاصلی جیسے الفاظ اسے بیان کرنے سے قاصر ہیں، لیکن اس لاتعلقی کے باوجود میں اپنے اردگرد موجود ہر چیز سے تعلق محسوس کرتا ہوں، ایک محبت بھرا اور والہانہ تعلق، جس کے پیچھے نہ کوئی مقصد کارفرما ہے، نہ منطق۔ مجھے اپنے گردوپیش کے عقب میں تاریکی دکھائی دیتی ہے، پھر بھی یہ رونق مجھے اچھی لگتی ہے۔ جہاں تک مقصد کا تعلق ہے تو آج جب میں اپنی عمر کی ڈھلوان پر لڑھکتا جا رہا ہوں، یہ سوال اور بھی مضحکہ خیز دکھائی دیتا ہے کہ آخر زندگی کا مقصد کیا ہے اور کیا ضروری ہے کہ ہر آدمی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور متعین کرے۔

زندگی کا خوبصورت ترین مظہر انسان ہے۔ زندہ رہنے کے معانی انسان ہی دے سکتا ہے۔ میری دلچسپی کا سب سے بڑا محور و مرکز انسان ہی ہے۔ یہ سب تماشا اسی کا لگایا ہوا ہے۔ یہ جو تھوڑی بہت معنویت ہم اپنے شب و روز میں موجود پاتے ہیں، انسان ہی کے دم سے ہے۔ دکھ بھی وہی دیتا ہے، خوش بھی وہی کرتا ہے۔ تنہائی بھی اس کی دین ہے، ہنگامہ اور بزم آرائی بھی۔ میں اگر شعر کہتا ہوں تو جہاں ان گنت غیر واضح اور مبہم کیفیات اس کی ذمہ دار ہیں، وہیں انسان اس کا سب سے بڑا معلوم محرک ہے۔ میں اس کے سامنے جواب دہ ہوں اور لوٹ کر بھی اس کی جانب جاتا ہوں۔ جہاں میں خود سے مختلف لوگوں کو جاننے کی کوشش

کرتا رہتا ہوں وہیں مجھے اپنے جیسے لوگ تنہا نہیں رہنے دیتے۔ جن کے علم کی بنیاد لاعلمی کا ادراک ہے اور جو اس ملال کے حوالے سے میرے جیسے ہیں یا میں ان جیسا ہوں۔ طاقتور انسانوں کے ایک منظم اور مربوط گروہ نے ہم سے ہماری آزادی چھین رکھی ہے۔ ملنے کی آزادی، چناؤ کی آزادی، فکری، معاشی اور روحانی آزادی۔ اس تسلط کا سلسلہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتا۔ ہم موجود ہوتے ہوئے بھی عدم موجود ہیں، Non entity ہیں، سو اوروں کی طرح میں بھی دیوار سے لگا ہوا بے دست و پا انسان ہوں۔ چاہتا کچھ ہوں، ہوتا کچھ ہے۔ کرنا کچھ چاہتا ہوں، کرتا کچھ اور رہتا ہوں۔ جہاں مجھے ہونا چاہیے، وہیں پر نہیں ہوں اور مجھے کہاں ہونا چاہیے اس کا بھی کچھ علم نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مجھے لگتا ہے، بنانے والے نے میری بنیاد میں کوئی اینٹ ٹیڑھی رکھ دی ہے۔ سو ایک رخ سے میں ٹیڑھا ہی رہا ہوں۔ میرے اور میرے ماحول کے درمیان تضاد ہے، تناؤ ہے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کھینچا تانی، اکتاہٹ کے مراحل سے گزار کر مجھے لاتعلقی کی سخت پتھریلی زمین پر لا پٹختی ہے۔ جہاں کوئی ہاتھ بڑھ کر مجھے پھر سے زندگی کی جانب لے جاتا ہے۔

ڈاکٹری کے پیشے نے مجھے زندگی کے بہت قریب رکھا۔ اس انسانی تماشے کے، جو انسان کو اپنے اندر بری طرح اُلجھا دینے والی خوبصورتی رکھتا ہے۔ میں لوگوں سے تحاشا ملا ہوں، ایک طرح کے والہانہ پن کے ساتھ۔ ان کی تکالیف اور خوشیوں میں شریک رہا ہوں۔ اس سب نے میرے اندر رونق لگائے رکھی ہے۔

شاعری نے مجھے اور کچھ دیا یا نہیں، جینے کا آسرا اور معانی ضرور دیے، جزوی اور ناکافی ہی سہی۔ میرے باطن میں جو جھلسا دینے والی دھوپ ہے، یہ اسے پوری طرح ڈھانپ نہیں پاتی۔ پھر بھی اس کی چھاؤں ہے اور خاصی گھنی بھی۔

چند باتیں شعری اصناف کے حوالے سے بھی کہہ دوں کہ اس حوالے سے مباحث سر اُٹھاتے رہتے ہیں اور لکھنے والے کو اس حوالے سے واضح نقطۂ نظر کا حامل ہونا چاہیے۔ غزل کی نسبت نظم کو میں نے اپنے مزاج اور افتادِ طبع کے زیادہ قریب پایا۔ گو میں نے منصوبہ بندی سے کبھی شاعری نہیں کی۔ بس یہ آ جاتی ہے، کبھی افتاد کی صورت، تو کبھی سکون بخش مصروفیت کی شکل میں۔ نظم گوئی سے غزل کی جانب میں یونہی نہیں چلا آیا۔ تخلیقی سفر کے ہر مرحلے پر میں نے غزل بھی کہی، یہ الگ بات کہ اسے نظم جتنی توجہ دی تھی نہ اہمیت۔ غالباً ۲۰۰۰ء کے آس پاس غزل مجھ پر باقاعدہ طاری ہوگئی۔ میں نے اتنی تیز رفتاری سے زندگی بھر شاعری نہیں کی۔ اس تخلیقی وفور کا نتیجہ ہے یہ مجموعہ، جو مجھے بتاتا ہے کہ میرے اندر ایک طوفان ایسا ضرور تھا جو اسی صنف کی وسعت یا محدودیت ہی میں پوری طرح سما سکتا تھا۔

غزل بے پناہ امکانات کی حامل صنف ہے جسے خواہ مخواہ ہمارے ''جدید'' نظریہ ساز ٹھوکر پر رکھ لیتے ہیں۔ یہ فراموش کرتے ہوئے کہ اُردو شاعری کی پوری روایت اس بنیاد پر استوار ہے۔ جس تہذیبی نشاط اور وژن سے ہمیں غزل آشنا کرتی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے اس لیے میں خود کو غزل کی افادیت سے انکار پر کبھی آمادہ نہیں کر سکا۔ تمام شعری اصناف دراصل مل جل کر ایک سمفنی (Symphony) بناتی ہیں جس میں سے ایک سُر بھی نکال دیا جائے تو وہ محض شور بن کر رہ جائے گی۔ ہمارے بعض پرجوش تجربہ پسند شعرا نے نظم اور غزل دونوں میں اس بات پر اصرار کیا ہے کہ شاعری محض لفظوں کا کھیل ہے اور کوئی بات نئی بات نہیں۔ مجھے اس سے کبھی اتفاق نہیں رہا کیونکہ مجھے کوئی ایک بھی بڑا یا اہم شاعر ایسا دکھائی نہیں دیا جس کے پاس بڑی فکر یا اس کی نشانیاں موجود نہ ہوں۔ لفظوں کے بغیر شاعری ظاہر ہے ممکن ہی نہیں، لیکن لفظ بات کہنے کا وسیلہ ہیں، مقصد نہیں۔ ہاں آپ لفظوں کے استعمال پر قدرت حاصل کر کے زیادہ بڑا کمال دکھا سکتے ہیں۔ تسلیم کہ زبان کے خوبصورت

استعمال کے بغیر کام نہیں چلتا لیکن فکر، جذبے، خیال یا احساس کی گہرائی کے بغیر بھی بات کہاں بنتی ہے۔ لفظوں پر کامل تخلیقی دسترس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ فکری عناصر کی موجودگی ہی شاعری کو وہ ارتفاع عطا کرسکتی ہے جسے ہم بڑی شاعری کا نام دیتے ہیں۔

غزل کی قدامت شاعر کے لیے تقویت اور نقاہت دونوں کا سبب بن سکتی ہے۔ ہمارے تن آسان غزل گو اس کے Format کے تقاضوں کو پورا کرنا کافی سمجھتے ہوئے جہاں خود کو ضائع کر دیتے ہیں وہیں ایسی غزل سامنے لے آتے ہیں جس پر انگلیاں اُٹھتی ہیں۔ دوسری جانب بعض باکمال اور اہم شعرا۔ نے نہ جانے یہ کیوں ٹھان رکھی ہے کہ وہ غزل کی دنیا میں انقلاب برپا کرنے آئے ہیں۔ ایسے تمام منہ زور تجربات ناکام ہو چکے ہیں اور اب ماضی کا حصہ ہیں۔ غزل کو اس کی روایت سے الگ کر کے تخلیق کیا ہی نہیں جا سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ باطنی اور خارجی ہر دو سطحوں پر اسے اس کی وضع قطع اور طور طریقوں کے مطابق ہی رہنے دیا جائے۔ ورنہ یہ آپ کو کہیں کا نہیں رہنے دے گی۔

میں نے اپنے طور پر غزل کو اس کے تقاضوں اور طور طریقوں کو سامنے رکھتے ہوئے تخلیق کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ کامیاب یا ناکام، میں نہیں جانتا۔ جہاں یہ کوشش خالصتاً انفرادی سطح کی رہی وہیں یہ میری خوش بختی ہے کہ مجھے محمد خالد اور علی افتخار جعفری جیسے اہلِ نظر دوستوں کی رفاقت اور مخلصانہ مشاورت بھی دستیاب رہی ہے۔ میرے عزیز اور قریبی دوست ظفر اللہ کی محبت اور تعاون کے بغیر شاید کتاب کی جلد اشاعت ممکن نہ ہوسکتی۔

ابرار احمد

۱۶ جنوری ۲۰۰۷ء

○

اور کب تک بہم رہیں گے یہاں
تو رہے گا کہ ہم رہیں گے یہاں

راہرو دور جا چکے ہوں گے
راہ کے پیچ و خم رہیں گے یہاں

ہم یہاں ہوں گے یا نہیں ہوں گے
اُس کے لطف و کرم رہیں گے یہاں

دل میں تیری مہک اترنے تک
ہم تو خواب عدم! رہیں گے یہاں

تیری مٹّی بکھر چکی ہو گی!
تیرے نقشِ قدم رہیں گے یہاں

ابھی اُس آنکھ کا اشارہ نہیں
ہم ابھی کوئی دم رہیں گے یہاں

تیرے مہماں ہوئے، خراب ہوئے
پھر جو آئے تو کم رہیں گے یہاں

○

ہم نے رکھا تھا جسے، اپنی کہانی میں کہیں
اب وہ تحریر ہے اوراقِ خزانی میں کہیں

بس یہ اک ساعتِ ہجراں ہے کہ جاتی ہی نہیں
کوئی ٹھہرا بھی ہے اس عالمِ فانی میں کہیں

جتنا ساماں بھی اکٹھا کیا اس گھر کے لیے
بھول جائیں گے اسے نقلِ مکانی میں کہیں

مرکزِ جاں تو وہی تُو ہے، مگر تیرے سوا
لوگ ہیں اور بھی اُس یاد پرانی میں کہیں

خیر اوروں کا تو کیا ذکر، کہ اب لگتا ہے
تو بھی شامل ہے، مرے رنجِ زمانی میں کہیں

آج کے دن میں کسی اور ہی دن کی ہے جھلک
شام ہے اور ہی اس شام سہانی میں کہیں

چشمِ نمناک کو اس درجہ حقارت سے نہ دیکھ
تجھ کو مل جانا ہے اک دن اسی پانی میں کہیں

کیا سمجھ آئے کسی کو، مجھے معلوم بھی ہے
بات کر جاتا ہوں مَیں، اپنی روانی میں کہیں

جشنِ ماتم بھی ہے، رونق سی تماشائی کو
کوئی نغمہ بھی ہے اس مرثیہ خوانی میں کہیں

اب کہیں آ کے جو شرمندۂ تعبیر ہوا
خواب دیکھا تھا وہ ایامِ جوانی میں کہیں

....

○

کہ جیسے کنجِ چمن سے صبا نکلتی ہے
ترے لیے مرے دل سے دعا نکلتی ہے

قدم بڑھاؤں تری رہگذار ہے آخر
مگر یہ راہ کہیں اور جا نکلتی ہے

ہر ایک آنکھ میں ہوتی ہے منتظر کوئی آنکھ
ہر ایک دل میں کہیں کچھ جگہ نکلتی ہے

یہیں کہیں پہ ہے رستہ، دوامِ وصل کا بھی
یہیں کہیں سے ہی راہِ فنا نکلتی ہے

ضرور ہوتا ہے رنجِ سفر مسافت میں
کہ جیسے چلنے سے آوازِ پا نکلتی ہے

ہم اپنی راہ پکڑتے ہیں، دیکھتے بھی نہیں
کہ کس ڈگر پہ یہ خلقِ خدا نکلتی ہے

یہاں وہاں کسی چہرے میں ڈھونڈتے ہیں تمھیں
ہمارے ملنے کی صورت بھی کیا نکلتی ہے

خیال کر کہیں پھر دیر ہی نہ ہو جائے
کہ اب تو آہ بھی بے مدعا نکلتی ہے

جو ہو سکے تو سنو زخمہٴ خموشی کو
کہ اس سے کھوئے ہوؤں کی صدا نکلتی ہے

گماں سا ہوتا ہے جو بھی جگہ پہ منزل کا
پہنچ کے دیکھیں تو وہ راستہ نکلتی ہے

چھپائے رکھتا ہوں چشمِ ہوس کو دل میں کہیں
وہ سامنے ہو تو پھر سے یہ آ نکلتی ہے

⁂

O

پہلے تو کھینچتا ہے دامنِ دل
پھر بلاتی ہے ہم کو دنیا بھی

○

دہر میں یوں تو کیا نہیں موجود
پھر بھی وہ لطف سا نہیں موجود

جو میسّر رہا، غنیمت تھا
جو میسّر رہا، نہیں موجود

یادِ یاراں کا داغ جلتا ہے
اور کوئی دِیا نہیں موجود

اس خمارِ طلب میں کھلتا نہیں
کیا ہے موجودؔ کیا نہیں موجود

پہلے اذنِ کلام غائب تھا
اور اب مدعا نہیں موجود

دو گھڑی تم ہو' دو گھڑی ہم ہیں
کوئی ہم میں سدا نہیں موجود

اب یہیں خاک ہو رہیں گے ہم
اب کوئی راستا نہیں موجود

اے غبارِ رہِ طلبگاراں!
کہیں اس کا پتا نہیں موجود

ہم نے مانگا نہیں ہے جب کچھ بھی
پھر ہمیں کیا' کہ کیا نہیں موجود

ہم پہ اے دوست ہاتھ رکھ اپنا
ہم میں اب حوصلہ نہیں موجود

....

○

تیری جانب سے، نہ کچھ گردشِ حالات سے ہے
کچھ خجالت ہے تو بس اپنی ہی اوقات سے ہے

ہاں محبت کے لیے ایسی ضروری بھی نہیں
ہاں شکایت کا تعلق تو ملاقات سے ہے

دن یہاں کاٹنے آئے ہیں الجھنے کو نہیں
سو ہمیں جیت سے مطلب ہے نہ کچھ مات سے ہے

تم یونہی مجھ سے گریزاں ہو، مری قسمت کا
واسطہ اور کسی نوع کی آفات سے ہے

یہ جو ہر دل میں کہیں گھر سا بنا لیتا ہوں
اس محبت میں قرینہ مری عادات سے ہے

اب حدِ سود و زیاں سے نکل آیا ہوں کہاں
کام کچھ بے طلبی سے ہے، نہ حاجات سے ہے

کچھ بھی اچھا نہیں ہونے کا، مگر ہے جو بھی
تیری خوش فہم طبیعت کی کرامات سے ہے

یہ جو بارش ہے کہیں اور برس لیتی ہے
میری آنکھوں کی نمی اور ہی برسات سے ہے

جب یہ طے ہے کہ تعلق کوئی رہنے کا نہیں
پھر بھلا مجھ کو یہ الجھن تری کس بات سے ہے

مے کدہ بند ہوا، بھر گیا پیمانۂ جاں
گفتگو اب در و دیوارِ خرابات سے ہے

....

○

اور رہنا تھا کیا فاصلہ رہ گیا
دور تک میں اسے دیکھتا رہ گیا

کام یوں تو مکمل کیے ہیں سبھی
زندگی میں خدا جانے کیا رہ گیا

سو چکا تھا تہِ خاک میں جس گھڑی
میرے اندر کوئی جاگتا رہ گیا

کھو گئے ہمرہاں جانیے کیوں کہاں
تا بہ حدِ نظر راستہ رہ گیا

رقصِ ہر رنگ تھمتا گیا آخرش
اور پھر ایک رقصِ ہوا رہ گیا

جاننا کیا ضروری تھا اس ربط میں؟
کس لیے تو مجھے جانتا رہ گیا

لاتعلق رہے اس تعلق میں ہم
اور جامِ تعلق دھرا رہ گیا

سب چراغوں کو بجھنا تھا، بجھتے گئے
آنکھ میں ایک جلتا دیا رہ گیا

○

بجھنے لگی یہ آنکھ، رہِ خواب ہے کہاں
وہ کس گلی میں ہے، دلِ بے تاب ہے کہاں

عالم ہے کوئی اور کہ میں بدحواس ہوں
وہ لوگ کیا ہوئے، مرا اسباب ہے کہاں

ہم وہ نہیں، وہ رنگِ رُخِ یار بھی نہیں
اے ماہِ عمر! تیری تب و تاب ہے کہاں

بیگانگی وہ ہے، ہمیں کچھ سوجھتا نہیں
گھر کس طرف ہے، قریۂ احباب ہے کہاں

کچھ بزم میں شرارۂ دیوانگی نہیں
دُھن چھیڑ دوں کوئی، مرا مضراب ہے کہاں

ہم کو تو ایک لہر نے رستہ نہیں دیا
یہ بحرِ عشق جانیے پایاب ہے کہاں

کچھ ہم کو ہی دماغِ زر و مال اب نہیں
یہ جنس ورنہ شہر میں کم یاب ہے کہاں

سونے لگی ہے چشمِ تماشا بھی آخرش
کھُلتا نہیں، وہ حُسنِ جنوں تاب ہے کہاں

....

○

تجھ سے وابستگی رہے گی ابھی
دل کو یہ بے کلی رہے گی ابھی

سر کو دیوار ہی نہیں ملتی
سو یہ دیوانگی رہے گی ابھی

کوئی دن فرصتِ تمنا ہے
کوئی دن سرخوشی رہے گی ابھی

کاسۂ عمر بھر چکا، پھر بھی
کہیں کوئی کمی رہے گی ابھی

شب وہی ہے، جمالِ خواب وہی
آنکھ اپنی لگی رہے گی ابھی

جس قیامت کی آمد آمد ہے
وہ قیامت ٹلی رہے گی ابھی

ہم یقیناً یہاں نہیں ہوں گے
غالباً زندگی رہے گی ابھی

کچھ ابھی رنجِ آرزو ہے ہمیں
آنکھ میں کچھ نمی رہے گی ابھی

تو ابھی مبتلائے دُنیا نہیں
تجھ میں یہ سادگی رہے گی ابھی

لاتعلق ہوں اس تعلق سے
اور یہ دوستی رہے گی ابھی

جی اچٹتا نہیں ہے' لگتا نہیں
سو یہ بیگانگی رہے گی ابھی

کہیں کوئی چراغ جلتا ہے
کچھ نہ کچھ روشنی رہے گی ابھی

....

○

دلِ بے حال کی حالت لے جائے
اب جہاں ہم کو محبت لے جائے

اپنی بانہوں سے نکلنے دے ہمیں
اور تعلق کی وہ قیمت لے جائے

ہم کہ اُس راہ پہ جانے کے نہیں
جو سرِ کوئے ندامت لے جائے

گھر کہ زنداں ہے مگر کھینچتا ہے
اب نہ چاہیں بھی تو عادت لے جائے

جا پہنچتی ہے وہیں راہِ وصال
جس جگہ جادۂ فرقت لے جائے

اس نے ہر دم جو عطا کی ہے ہمیں
گر یہ عزت ہے تو عزّت لے جائے

کون اس کارگہِ ہستی سے
یہ دل وجان سلامت لے جائے

تو نہیں ہے تو کوئی دن کے لیے
دربدر ہم کو یہ وحشت لے جائے

جو بھی دیکھے اُسے مَیلا کر دے
وہ کہاں چاند سی صورت لے جائے

کام بھی کرنے ہیں پر کیا کیجیے
وقت سارا تو یہ فرصت لے جائے

جو بپا کرتا ہے آئے کوئی
اور اس تک یہ قیامت لے جائے

ڈال دے کوئی ہمیں مشکل میں
اور یہ بارِ سہولت لے جائے

جو بھی تھا بس میں، کِیا ہے تو نے
اب جہاں بھی تری قسمت لے جائے

تنگ ہیں اے دلِ وحشی تجھ سے
جا تجھے کوئی مصیبت لے جائے!

......

○

کبھی روتی، کبھی گاتی ہے ہوا
کیا ہمیں یاد دلاتی ہے ہوا

ہے متاعِ دل و جاں مٹی میں
اور مٹی کو اُڑاتی ہے ہوا

بستیاں دھونے کو، مہکانے کو
بادلوں سے لدی جاتی ہے ہوا

نشۂ خواب ہوا ہوتا ہے
پھر ہمیں آ کے جگاتی ہے ہوا

جانے کس دشت میں گھر ہے اس کا
اور کس دیس کو جاتی ہے ہوا

ہم جنھیں بھول چکے ہوتے ہیں
گیت وہ ہم کو سناتی ہے ہوا

لرز اُٹھتا ہے ہر اک تارِ نفس
اس قدر شور مچاتی ہے ہوا

تو کہاں ہے مرے صحرا زادے
ہر طرف تجھ کو بلاتی ہے ہوا

خیر مانگو تپشِ دل کی کہ اب
سرد ہوتی چلی جاتی ہے ہوا

آج پھر تیری طرف آ نکلے
آج پھر ہم کو ستاتی ہے ہوا

....

○

یہ رہِ عشق ہے، اس راہ پہ گر جائے گا تو
ایک دیوار کھڑی ہوگی، جدھر جائے گا تو

شورِ دنیا کو تو سُن، رنگِ رہِ یار تو دیکھ
ہم جہاں خاک اڑاتے ہیں اُدھر جائے گا تو

دربدر ہے تو کہیں جی نہیں لگتا ہوگا
وہ بھی دن آئے گا تھک ہار کے گھر جائے گا تو

عازمِ ہجرِ مسلسل ہُوا اس مٹی سے
لوٹ آئے گا یہیں اور کدھر جائے گا تو

جان جائے گا کہ منزل نہیں موجود کہیں
خوش گماں ہے ابھی سرگرمِ سفر جائے گا تو

آرزو رکھ اسے پانے کی کوئی روز ابھی
پھر یہیں بامِ تمنا سے اتر جائے گا تو

یہ جو طوفان ترے گرد ہے دیوانگی کا
اک ذرا تیز ہُوا اور بکھر جائے گا تو

کارواں گرد ہُوا، چپ ہوئی آوازِ جرس
کیا اب اس سمت کو تا حدِ نظر جائے گا تو

اب کہاں خوابِ محبت کہ وہ شب دور نہیں
جب کہیں خاک بھری نیند سے بھر جائے گا تو

....

○

کچھ نہ کچھ تو ہے مگر اتنا نہیں
ہم پہ اب اس کا اثر اتنا نہیں

جانتا ہوں کون کیا لے جائے گا
بے طلب ہوں، بے خبر اتنا نہیں

جس قدر تندی ہے بادِ سرد میں
زور میں رقصِ شرر اتنا نہیں

اُس کو کھونے میں خسارہ ہے بہت
اس کو پانے میں ضرر اتنا نہیں

معرکہ جو تیرے میرے بیچ ہے
درمیانِ خیر و شر اتنا نہیں

اندریں خانہ سراسر شور ہے
جانبِ بیرونِ در اتنا نہیں!

شوق سے آوازۂ محشر لگا
اب ہمارے دل میں ڈر اتنا نہیں

خواب ہوں دیوار و در کے درمیاں
میرا ہونا معتبر اتنا نہیں

○

دیارِ رفتہ کا قِصّہ کوئی سناو میاں
جو خواب سوئے ہوئے ہیں اُنھیں جگاو میاں

یہ آپ ہم خس وخاشاک ہیں، ہمارا کیا
ہمیں تو بہنا ہے جس سمت ہو بہاو میاں

فساد و شورِ طلب میں گنوا دیا ہے اُسے
وہ ایک شے جسے کہتے تھے رکھ رکھاو میاں

ہمیں کہ زخمِ نظارہ پسند بھی ہے بہت
اوراب کے اُس کی جھلک سے لگا ہے گھاو میاں

نہیں اگر رُخِ آیندہ کی خبر معلوم
تو پھر چراغِ رہِ رفتگاں جلاو میاں

جو استطاعتِ خیرِ جہاں نہیں تم کو
تو اس زمیں پہ کوئی حشر ہی اُٹھاو میاں

نہیں ہے گر کوئی رنگِ نشاط کی صورت
تو کوئی محفلِ افسردگاں سجاو میاں

جو دن ملے ہیں پھرو چار دانگِ عالم میں
لگا ہوا ہے یہاں سب کا چل چلاو میاں

نہیں رہے گا نشاں تک جہانِ امکاں میں
جو ہو سکے تو یہاں بات کچھ بناو میاں

....

○

جو پاس ہے اسی غم سے یہ دن بِتاو میاں
اب اس کے وعدۂ فردا کو بھول جاو میاں

نہ تم، نہ دُنیا تمھاری، ہمارے بس میں ہے
ہمیں تو دیکھنا ہے جو بھی دن دکھاو میاں

نہیں ہے پاسِ ادب، کچھ بھرم ہی رہنے دو
جو جی میں آئے کرو، کیوں ہمیں بتاو میاں

یہ بے گھری تو بہر طور ساتھ ہے، پھر بھی
برا بھلا ہی سہی، گھر کوئی بساو میاں

یہ نقدِ جاں لیے آئے تھے ہم تمھارے حضور
سو تم بھی کرنے لگے ہم سے بھاو تاو میاں

ہمیں تو چاہیے ہر حال میں تمھاری خوشی
تمھارا گھر ہے یہ، جب چاہو آوَ جاو میاں

جو لوگ سیلِ زماں میں بچھڑ گئے ہم سے
جو ہو سکے تو اُنھیں پھر سے ڈھونڈ لاو میاں

بساطِ دہر الٹ دیں نہ ہم تو نام نہیں
رہِ جنوں میں کبھی ہم کو آزماو میاں

کہیں یہ حدِ ادب ہی نہ پار ہو جائے
بھرے ہوئے ہیں ہمیں اور مت ستاو میاں

○

جب ہمیں اس کا دھیان سا کچھ تھا
سر پہ اک آسمان سا کچھ تھا

جو ہوا اب مری بلا جانے
پھر بھی وہ امتحان سا کچھ تھا

اب نہیں ہے تو یاد آتا ہے
شخص جو مہربان سا کچھ تھا

اے مرے رہ نوردِ شوق، اے دل
جو ترا کاروان سا کچھ تھا؟

جو بھی حاصل وصول ہم نے کیا
کیا وہ سب رایگان سا کچھ تھا؟

اڑ گیا ہے اڑان ہی میں کہیں
جو پروں میں اُڑان سا کچھ تھا

جس سبب سے تھی زندگی ممکن
خواب تھا یا گمان سا کچھ تھا

سب بہم تھے رواں مگر پھر بھی
جانے کیا درمیان سا کچھ تھا

....

○

یہ یقیں، یہ گماں ہی ممکن ہے
تجھ سے ملنا یہاں ہی ممکن ہے

خواب اک ممکن و میسّر کا
گرچہ اس کا بیاں ہی ممکن ہے

بے حد و بے حساب شوق میں بھی
قصدِ کوئے بتاں ہی ممکن ہے

تنگنائے جہانِ ظاہر میں
یہ زمیں، یہ زماں ہی ممکن ہے

حد سے حد اس رہِ ہزیمت میں
پرسشِ رہرواں ہی ممکن ہے

آتشِ دل پہ ڈالنے کے لیے
ریگِ راہِ رواں ہی ممکن ہے

سرحدِ ممکنات سے آگے
سر پہ اک آسماں ہی ممکن ہے

آن بیٹھے کہ جی لگانے کو
صحبتِ دوستاں ہی ممکن ہے

عرصۂ زندگی میں تیری مری
صرف اک داستاں ہی ممکن ہے

کیا تماشا ہے یاں اُٹھانے کو
ایک بارِ گراں ہی ممکن ہے

....

○

رنگِ دنیا سے ورا خوابِ تمنا سے الگ
آنکھ اِک اور بھی ہے چشمِ تماشا سے الگ

وقت پتھر کی طرح ٹھوکریں کھاتا ہے یہاں
قصّۂ خاک ہے رُودادِ زمانہ سے الگ

ہم کہ خاموش بھی ہیں تیرے طلب گار بھی ہیں
اور یہ وصف کہ ہے خوئے تقاضا سے الگ

کام کچھ ہوتے ہی جاتے ہیں، کرو یا نہ کرو
کاوش و ہمت و اسباب و ارادہ سے الگ

گردِ دنیا بھی یہیں، گردِ محبت بھی یہیں
راہ ہم ڈھونڈ چکے ہیں، رہِ دنیا سے الگ

کوئی ان دیکھے قدم روندتے رہتے ہیں ہمیں
گھاو ہیں اور بہت، زخمِ نظارہ سے الگ

رقص میں ہوں تو بھلا ہاتھ کہاں آتے ہیں
ہمیں زنجیر کرو، وحشت و سودا سے الگ

ہوش جاتا نہیں، اُڑتا ہی چلا جاتا ہے
جامِ افسوس کہ ہے بادہ و مینا سے الگ

....

○

کچھ بھی نہیں رہا یہاں، آپ سے کیا چھپایئے
دل ہی میں جب لہو نہیں، شور کہاں مچایئے

دوری فریب ہے مگر، دوری میں راستہ بھی ہے
بیٹھے رہیں گے کب تلک، اب اُنھیں ڈھونڈ لایئے

سر میں جو گونجتی بھی ہے، ہونٹوں پہ ڈولتی بھی ہے
کس کو ہے تابِ غم یہاں، کس کو یہ دھن سنایئے

سرحدِ شوق سے پرے، شام کی بستیاں بھی ہیں
جب یہ سفر تمام ہو، آگے کدھر کو جایئے

ڈھل گئی رات دیکھتے، راہ رُخِ اُمید کی
اب ہمیں نیند آ گئی، اب نہ ہمیں ستایئے

آنکھیں تھیں چاہتوں بھری، چہرے جو مہربان تھے
اب وہ نظر نہ آئیں گے، اب اُنھیں بھول جایئے

جان ہے تو جہان ہے، دل ہے تو آرزو بھی ہے
عشق بھی ہو رہے گا پھر، جان ابھی بچایئے

کھو گئے خوابِ چشم و لب، تابِ طلب نہیں رہی
دل میں وہ زور اب کہاں، اب یہ دکاں بڑھایئے

....

○

اے تُو! کہ تیرے واسطے کیا کیا نہیں کیا
اور تو نے میرے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا

کچھ ہم کو بھی دماغِ تمنا نہیں تھا، اور
کچھ اُس نے بھی اِدھر، رخِ زیبا نہیں کیا

دیکھا کہ اس کو حرمتِ لب تک رہی عزیز
ہم نے پھر اپنے عشق کو رُسوا نہیں کیا

اس کی گلی، وہ پاؤں کی زنجیر تھی کہ بس
سو ہم نے پھر کہیں کا ارادہ نہیں کیا

ہاں خود فریبیوں سے مفر ہے کسے، مگر
ہم نے کسی بھی اور سے دھوکا نہیں کیا

رقصِ جنوں صِلہ تھا، سو مصروف ہم رہے
عُشّاق نے وگرنہ یہاں کیا نہیں کیا

....

○

زمیں نہیں یہ مری، آسماں نہیں میرا
متاعِ خواب بجز کچھ یہاں نہیں میرا

یہ اونٹ اور کسی کے ہیں، دشت میرا ہے
سوار میرے نہیں، سارباں نہیں میرا

مجھے تمھارے تیقّن سے خوف آتا ہے
کہ اس یقین میں شامل گماں نہیں میرا

میں ہو گیا ہوں خود اپنے سفر سے بیگانہ
کہ نیند میری ہے، خوابِ رواں نہیں میرا

تو آب و خاک سے بچ کر کدھر کو جاتا میں
دوامِ وصل ہے باقی نشاں نہیں میرا

پھر ایک دن اسی مٹّی کو لوٹ جاؤں گا
گریز تجھ سے رہِ رفتگاں نہیں میرا

صدائے شہرِ گزشتہ ابھی بلاتی ہے
گو اب عزیز کوئی بھی، وہاں نہیں میرا

....

○

یقین ہے کہ گماں ہے، مجھے نہیں معلوم
یہ آگ ہے کہ دھواں ہے، مجھے نہیں معلوم

یہ ہر طرف ہے کوئی محفلِ طرب برپا
کہ بزمِ غم زدگاں ہے، مجھے نہیں معلوم

لیے تو پھرتا ہوں اک موسمِ وجود کو میں
بہار ہے کہ خزاں ہے، مجھے نہیں معلوم

وہ رنگِ گل تو اسی خاک میں گھلا تھا کہیں
مگر مہک وہ کہاں ہے، مجھے نہیں معلوم

خبر تو ہے کہ یہیں قریۂ ملال بھی ہے
یہ کون محوِ فغاں ہے، مجھے نہیں معلوم

میں تجھ سے دور اُسی دشتِ نارسی میں ہوں گم
اُدھر تو نوحہ کناں ہے، مجھے نہیں معلوم

یہ کشمکش جو مَن و تُو کے درمیاں ہے، سو ہے
میانِ سود و زیاں ہے، مجھے نہیں معلوم

یہ داغِ عشق جو مٹتا بھی ہے، چمکتا بھی ہے
یہ زخم ہے کہ نشاں ہے، مجھے نہیں معلوم

گزرتا جاتا ہوں اک عرصۂ گریز سے میں
یہ لامکاں کہ مکاں ہے، مجھے نہیں معلوم

رواں رواں تو ہے یہ جوئے زندگی ہر دم
مگر کدھر کو رواں ہے، مجھے نہیں معلوم

یہ کوئے خاک ہے یا پھر دیارِ خواب کوئی
زمین ہے کہ زماں ہے، مجھے نہیں معلوم

....

○

آہ و فریاد سے نکلتا ہوں
اب تری یاد سے نکلتا ہوں

اپنی خوشبو کا ہے فسوں مجھ پر
بوئے ہم زاد سے نکلتا ہوں

منکرِ لطف و التفات ہوں اب
دامِ صیّاد سے نکلتا ہوں

شاد کامی سے کام ہے کچھ دن
دلِ ناشاد سے نکلتا ہوں

پھیل جانے کو مثلِ بوئے نشاط
کنجِ برباد سے نکلتا ہوں

خاک جاتی ہے اب عدم کی طرف
بزمِ ایجاد سے نکلتا ہوں

شور کے درمیاں سے اٹھتا ہوا
اب اِس افتاد سے نکلتا ہوں

اور پھر ڈولتا ہی رہتا ہوں
کیسی بنیاد سے نکلتا ہوں

شہر رفتہ میں گھر بنانے کو
کوئے آباد سے نکلتا ہوں

ڈھونڈ اب زیبِ داستاں کوئی اور
تیری رُوداد سے نکلتا ہوں

دیکھ آتا ہوں پیش منظر بھی
یہ جو مابعد سے نکلتا ہوں

چھوڑتا ہوں یہ آب وخاک، اوراب
آتش و باد سے نکلتا ہوں

اب کہیں کا نہ رہ سکوں شاید
قریۂ یاد سے نکلتا ہوں

....

○

ہمیں خبر نہیں کچھ، کون ہے، کہاں کوئی ہے
ہمیشہ شاد ہو، آباد ہو، جہاں کوئی ہے

پرے فلک سے کوئی ہے بھی یا نہیں ہے مگر
یہ خاک اڑاتا ہوا زیرِ آسماں کوئی ہے

جگہ نہ چھوڑے کہ سیلِ بلا ہے تیز بہت
اڑا پڑا ہی رہے اب، جہاں تہاں کوئی ہے

فشارِ گریہ کسی طور بے مقام نہیں
دیارِ غم ہے کہیں پر، پسِ فغاں کوئی ہے

وہ کوئی خدشہ کہ ہے وہم، خواب ہے کہ خیال
کہ ہو نہ ہو مرے دل، اپنے درمیاں کوئی ہے

کبھی تو ایسا ہے جیسے کہیں پہ کچھ بھی نہیں
کبھی یہ لگتا ہے جیسے یہاں وہاں کوئی ہے

کبھی کبھی تو یہ لگتا ہے فرد فرد ہیں ہم
یہ اور بات ہمارا بھی کارواں کوئی ہے

کہیں پہنچنا نہیں ہے اسے، مگر پھر بھی
مثالِ بادِ بہاراں، رواں دواں کوئی ہے

ہُوا ہے اپنے سفر سے، حضر سے بیگانہ
وہیں وہیں پہ نہیں ہے، جہاں جہاں کوئی ہے

چھلک جو اٹھتی ہے یہ آنکھ فرطِ وصل میں بھی
تو سرخوشی میں ابھی رنجِ رایگاں کوئی ہے

شکستِ دل سے نہ کیا، راہِ عشق ترک نہ کر
یہ دیکھ کیا کہیں پروردۂ زیاں کوئی ہے؟

اب اس نگاہِ فسوں کار کا قصور ہے کیا
ہمیں دکھاؤ اگر زخم یا نشاں کوئی ہے

کہیں پہ آج بھی وہ گھر ہے ہنستا بستا ہوا
یہ وہم سا ہے ترے دل کو یا گماں کوئی ہے

جوارِ قریہ یاراں میں جا نکلتا ہوں
کہ جیسے اب بھی وہیں میرا مہرباں کوئی ہے

○

قصے سے ترے، میری کہانی سے زیادہ
پانی میں ہے کیا اور بھی، پانی سے زیادہ

اس خاک میں پنہاں ہے کوئی خوابِ مسلسل
ہے جس میں کشش عالمِ فانی سے زیادہ

نخلِ گلِ ہستی کے گُل و برگ عجب ہیں
اُڑتے ہیں یہ اوراقِ خزانی سے زیادہ

ہر رخ ہے کہیں اپنے خدوخال سے باہر
ہر لفظ ہے کچھ اپنے معانی سے زیادہ

وہ حُسن ہے کچھ حُسن کے آزار سے بڑھ کر
وہ رنگ ہے کچھ اپنی نشانی سے زیادہ

ہم پاس سے تیرے، کہاں اٹھ آئے ہیں، یہ دیکھ
اب اور ہو کیا نقل مکانی سے زیادہ

اس شب میں ہو گر یہ کوئی تاریکی سے گہرا
ہو کوئی مہک رات کی رانی سے زیادہ

ہم کنجِ تمنا میں رہیں گے کہ ابھی تک
ہے یاد تری، یاد دہانی سے زیادہ

اب ایسا زبوں بھی تو نہیں حال ہمارا
ہے زخمِ عیاں ، دردِ نہانی سے زیادہ

....

○

ہمارے بیچ اگرچہ رہا نہیں کچھ بھی
مگر یہ دل ہے، ابھی مانتا نہیں کچھ بھی

یہ کیسی دھول سی راہوں میں اڑتی پھرتی ہے
تو اے مسافرِ جاں کیا بچا نہیں کچھ بھی؟

بس ایک منظرِ خالی میں اونگھ لیتا ہے
وہ خوش نظر ہے مگر دیکھتا نہیں کچھ بھی

ہم اپنے اپنے دل و جاں کی خیر مانگتے ہیں
یہ عجز کچھ بھی نہیں ہے، انا نہیں کچھ بھی

ہم اُس کے غم کو ان آنکھوں میں لے کے پھرتے ہیں
مگر وہ شخص ہمیں جانتا نہیں کچھ بھی

کہیں پہ ہو کہ نہ ہو عزتِ گنہ گاراں
مگر یہاں کوئی تیرے سوا نہیں کچھ بھی

تو بول اٹھتا ہے، ہم کو بھلا بھی لگتا ہے
مگر تُو یار مرے سوچتا نہیں کچھ بھی

گماں تو خیر محبت کا تھا، پر اب اس سے
سوائے رنجِ طلب، واسطہ نہیں کچھ بھی

ہمارے حال پہ تم کو ملال تک بھی نہیں
تو کیا جو ربط ہمارا تھا، تھا نہیں کچھ بھی

کبھی جو آؤ تو ہم کو جو تم سے کہنی ہے
یونہی سی بات ہے اب، مدعا نہیں کچھ بھی

....

○

جو بھی یک جا ہے، بکھرتا نظر آتا ہے مجھے
جانے یوں ہے بھی، کہ ایسا نظر آتا ہے مجھے

چشمِ وا میں تو وہی منظرِ خالی ہے، جو تھا
موند لوں آنکھ تو کیا کیا نظر آتا ہے مجھے

مائلِ عرضِ تمنا ہے، نہ ہے وقفِ ملال
اے مرے دل تو ٹھہرتا نظر آتا ہے مجھے

پسِ نظارہ کوئی خوابِ گریزاں ہی نہ ہو
دیکھنے میں تو تماشا نظر آتا ہے مجھے

باندھ لوں رختِ سفر؟ لوٹ چلوں گھر کی طرف
تیری جانب سے اشارہ نظر آتا ہے مجھے

تجھے کیونکر ہو یہ معلوم مرے ماہِ تمام
داغِ دل کیسے ستارہ نظر آتا ہے مجھے

کشتیِ جاں یہی اک آدھ بھنور اور ہے بس
کہیں نزدیک کنارہ نظر آتا ہے مجھے

دیکھنے دیکھنے میں فرق ہوا کرتا ہے
تم بھی بتلاؤ کہ کیسا نظر آتا ہے مجھے

○

یہ جو ہم سر تری چوکھٹ سے لگائے ہوئے ہیں
یہی سمجھو کہ زمانے کے ستائے ہوئے ہیں

ہم نے اس دل کو کہیں اور لگایا ہوا ہے
اور یہ ہاتھ کہیں اور اٹھائے ہوئے ہیں

تجھے دیکھوں تو مجھے یاد یہ کون آتا ہے
تو نے یہ رنگ بھلا کس کے چرائے ہوئے ہیں

کارِ دنیا نے ہمیں مہلتِ یک خواب نہ دی
سو کہیں کھوئے ہوئے ہیں کہیں پائے ہوئے ہیں

اور ہی خاک ہو شاید جو پتا بتلائے
ہم کہ اس لوحِ جہاں سے تو مٹائے ہوئے ہیں

کس لیے یاد دلاتے ہو ابھی رہنے دو
کیا ہوا ہم جو کوئی بات بھلائے ہوئے ہیں

کام جو ہم سے نہیں ہوگا کیے جاتے ہیں
ہم سے اٹھتا جو نہیں بوجھ، اٹھائے ہوئے ہیں

ہم ہی کچھ گوش برآواز نہیں تھے، ورنہ
تم نے پہلے بھی یہی گیت سنائے ہوئے ہیں

دیکھنے کی تجھے کچھ دل میں ہے حسرت بھی ابھی
اور یہ بھی کہ ترے شہر میں آئے ہوئے ہیں

....

○

بھر پائے ہم ایسی زندگی سے
چھٹتی نہیں جان بے کلی سے

سب پیار سے مجھ کو دیکھتے ہیں
میں تکتا ہوں سب کو بے بسی سے

کب غم نے نہیں اجاڑ رکھا
کب مرتے نہیں رہے خوشی سے

سن رکھی ہیں ہم نے ساری باتیں
ڈرتے ہیں تمھاری ان کہی سے

تم کیسے چراغِ جاں ہو میرے
بجھ جاتے ہو، دل کی روشنی سے

اپنے سے نباہ کب ہے آساں
کیا ربط بڑھائیں اجنبی سے

ہم دل سے سمجھتے، سوچتے ہیں
کچھ کام نہیں ہے دل لگی سے

اپنا جو نہیں رہا ہے کوئی
رکھی ہے بنا کے ہر کسی سے

سرکش بھی جو ہوں تو کیا برا ہے
کیا مل گیا ہم کو بندگی سے

....

○

گریزاں تھا مگر ایسا نہیں تھا
یہ میرا ہم سفر ایسا نہیں تھا

یہاں مہماں بھی آتے تھے، ہَوا بھی
بہت پہلے یہ گھر ایسا نہیں تھا

یہاں کچھ لوگ تھے، اُن کی مہک تھی
کبھی، یہ رہگذر ایسا نہیں تھا

رہا کرتا تھا جب وہ اس مکاں میں
تو رنگِ بام و در ایسا نہیں تھا

بس اک دُھن تھی نبھا جانے کی، اس کو
گنوانے میں ضرر ایسا نہیں تھا

مجھے تو خواب ہی لگتا ہے اب تک
تو کیا تھا وہ اگر ایسا نہیں تھا

پڑے گی دیکھنی دیوار بھی اب
کہ یہ سودائے سر ایسا نہیں تھا

خبر لوں جا کے اس عیسیٰ نفس کی
وہ مجھ سے بے خبر ایسا نہیں تھا

نہ جانے کیا ہوا ہے کچھ دنوں سے
کہ میں اے چشمِ تر ایسا نہیں تھا

اِدھر اب دیکھتا تک بھی نہیں ہے
وہ میرا خوش نظر ایسا نہیں تھا

یونہی نمٹا دیا ہے جس کو تو نے
وہ قِصّہ مختصر ایسا نہیں تھا

....

○

میں اپنے خوابِ تمنا سے کیا نکلتا ہوں
جوارِ قریۂ غفلت میں جا نکلتا ہوں

○

گو یہ مشکل گھڑی ہے، سو جاؤ
نیند جب آ رہی ہے، سو جاؤ

کون آئے گا پوچھنے کے لیے
سب کو اپنی پڑی ہے، سو جاؤ

سب کو اب کام سے ہے کام یہاں
تم کو کیا بے کلی ہے، سو جاؤ

دن تھے جب جاگنے کے، جاگتے تھے
اب یہ دیوانگی ہے، سو جاؤ

نیند میں جو جگائے رکھتی تھی
آنکھ وہ سو گئی ہے، سو جاؤ

گھپ اندھیرے میں خوف آئے گا
کچھ ابھی روشنی ہے، سو جاؤ

جو بھی ہونا ہے، ہو رہے گا، تو پھر
امن یا ابتری ہے، سو جاؤ

تم جہاں دن گزار آئے، وہ اب
کوئے بے گانگی ہے، سو جاؤ

جس کے آگے ٹھہر سکے تھے نہ ہم
وہ ہوا پھر چلی ہے، سو جاؤ

خود ہی کہتے ہو، خود ہی سنتے ہو
کیسی دیوانگی ہے، سو جاؤ

وسوسہ دل سے یوں نہ جائے گا
رات اب دو گھڑی ہے، سو جاؤ

خود سے ہر دم الجھتے رہتے ہو
کیا یہی زندگی ہے، سو جاؤ

تھک بھی جاتا ہے آدمی آخر
رنج ہے یا خوشی ہے، سو جاؤ

دن بھی آئے گا جاگنے والا
رات اب ہو گئی ہے سو جاؤ

....

○

کچھ کام نہیں ہے یہاں وحشت کے برابر
سو تم ہمیں غم دو کوئی ہمت کے برابر

کب لگتا ہے جی راہِ سہولت میں ہمیشہ
اور ملتا ہے کب رنج، ضرورت کے برابر

آسایش و آرام ہو، یا جاہ و حشم ہو
کیا چیز یہاں پر ہے محبت کے برابر

گنجایشِ افسوس نکل آتی ہے ہر روز
مصروف نہیں رہتا ہوں، فرصت کے برابر

بھر لائے ہیں ہم آنکھ میں رکھنے کو مقابل
اک خوابِ تمنا، تِری غفلت کے برابر

رکھ دیں گے ترے پاؤں میں، ہم موج میں آ کر
دنیا ہے کہاں جان کی قیمت کے برابر

پھر کشمکشِ سود و زیاں، کارِ زیاں ہے
جب جیت بھی ٹھہری ہے، ہزیمت کے برابر

جینے میں جو احساسِ تفاخر ہے، کہاں ہے
جیتے چلے جانے کی ندامت کے برابر

○

رُسوائی نہیں کچھ بھی تو شہرت بھی نہیں کچھ
دیکھو تو یہاں ذلّت و عزت بھی نہیں کچھ

کچھ کام ہمارے یہاں ہوتے بھی نہیں ہیں
کچھ یوں ہے کہ ہم کو یہاں عجلت بھی نہیں کچھ

ایسا بھی نہیں کچھ کہ کریں ترکِ تعلق
ورنہ تو یہ طے ہے کہ محبت بھی نہیں کچھ

ہر چند ہوئے تنگ ہم اس شورشِ دل سے
پر نام سے تیرے ہمیں وحشت بھی نہیں کچھ

کچھ لوگ بھی خودمست و کم آمیز ہوئے ہیں
اور یہ بھی کہ پہلی سی مروّت بھی نہیں کچھ

یکسانیِ نظارہ سے جی بھر بھی گیا ہے
اُس رُخ پہ گزشتہ کی وہ رنگت بھی نہیں کچھ

اب سرد ہُوا آنکھ میں وہ شعلۂ رنجش
سو دل میں کہیں گردِ کدورت بھی نہیں کچھ

کچھ بارِ محبت بھی بڑھا جاتا ہے ہر دم
یہ بوجھ اُٹھانے کی وہ ہمت بھی نہیں کچھ

کچھ رات کا جادو بھی لیے پھرتا ہے ہر سُو
اور ہم کو بہت سونے کی عادت بھی نہیں کچھ

وہ چشمِ فسوں کار گریزاں بھی ہے ہم سے
اب لطف و عنایت کی ضرورت بھی نہیں کچھ

ہر چیز یہاں پر ہے فراموشی کی زد پر
تم بھول گئے ہم کو تو حیرت بھی نہیں کچھ

جینے میں وہ پہلی سی سہولت بھی نہیں ہے
زندہ ہیں اگر، اس میں خجالت بھی نہیں کچھ

ہیں خاک تو پھر خاک سے نسبت تو رہے گی
پیوندِ زمیں ہیں، تو ہزیمت بھی نہیں کچھ

○

اب کوئی بام پر رہے گا کہاں
تو پریشاں نظر، رہے گا کہاں

خاک تیری جہاں مقیم ہوئی
یہ جو گھر ہے تو گھر رہے گا کہاں

بے ٹھکانہ بکھر رہیں گے ہم
پھر حضر اور سفر رہے گا کہاں

یاں جو اک بار بھی نہ رہ پایا
پھر وہ بارِ دِگر رہے گا کہاں

وہ اُجالے، وہ صبحیں روٹھ گئیں
اے مرے خوش نظر، رہے گا کہاں

سرخوشی کام آئے گی کب تک
آہ میں بھی اثر رہے گا کہاں

کام لے کوئی اپنی وحشت سے
پھر یہ سودا، یہ سر رہے گا کہاں

مِٹ رہے گی کبھی یہ بے خوفی
اور جو دل میں ہے ڈر، رہے گا کہاں

بند ہے اب دکانِ گریہ بھی
تو سرِ رہگزر رہے گا کہاں

منزلوں منزلوں بھٹکتا ہے
جانے یہ دل ٹھہر رہے گا کہاں

خاک زادوں کو روند لے کچھ دن
پھر ترا کروفر رہے گا کہاں

حالِ عُشاق و خوابِ دل زدگاں
تیرے پیشِ نظر رہے گا کہاں

بند ہے اب وہ گھر، وہ دروازہ
بول اب کے تو مر رہے گا کہاں

چشمِ بیمار سو گئی جس دم
تو مرے چارہ گر، رہے گا کہاں

....

○

دل میں کیا تھا جو کھو گیا ہے کہیں
میرا نقصان ہو گیا ہے کہیں

وہ تری کھوج میں رہا اور پھر
غالباً تجھ کو رو گیا ہے کہیں

ہار بانہوں کے ساتھ لایا تھا
اور کانٹے پرو گیا ہے

تیری آواز بھی نہیں سنتا
کیا مرا بخت سو گیا ہے کہیں

رنگ وہ لے گیا مگر مجھ میں
اپنی خوشبو سمو گیا ہے کہیں

یوں تہی دست و دل گرفتہ نہ تھا
کچھ نہ کچھ مجھ کو ہو گیا ہے کہیں

ہم رہِ صد ملال ہے وہ کبھی
اور ہر رنج دھو گیا ہے کہیں

خواب جو نیند میں بھی تھا بیدار
آخرِ کار سو گیا ہے کہیں

○

پسِ ہر رنجِ گماں، زخمِ یقیں دیکھا ہے
رائیگاں ہم نے کسی غم کو نہیں دیکھا ہے

کیا تمھیں خوابِ تمنا کی حقیقت معلوم
تم نے کب اشکِ طلب، داغِ جبیں دیکھا ہے

گھیر لیتا ہے کہیں اِک شبِ رفتہ کا مَلال
ورنہ کیا تم نے کبھی ہم کو غمیں دیکھا ہے؟

کیا سے کیا ہو گئے ہم، بدلی نہیں یہ دُنیا
پھر وہی عکسِ فلک، رنگِ زمیں دیکھا ہے

ساتھ رہتے ہوئے پردہ ہی رہا ہے ایسا
ہم کو لگتا ہی نہیں اُس کو کہیں دیکھا ہے

ہم جو کہتے ہیں بھلا تم کو سمجھ کیوں آئے
تم نے ایسے کبھی دُنیا کو نہیں دیکھا ہے

کیا کبھی ترکِ مسافت کا خیال آیا تمھیں
تم نے دیکھا وہ مکاں، اس کا مکیں دیکھا ہے!

پھر اسی غم اسی مِٹّی کی طرف لوٹ چلوں
میں نے یہ خواب ستاروں کے قریں دیکھا ہے

ایک سایہ ہی رہا ہے کہیں بینائی پر
دیکھنے کو تو بہت اپنے تئیں دیکھا ہے

ڈھونڈتے ڈھونڈتے اب خاک ہوئے جاتے ہیں
کوئی بتلاؤ اگر اُس کو کہیں دیکھا ہے

....

○

اک فراموش کہانی میں رہا
میں جو اُس آنکھ کے پانی میں رہا

رُخ سے اُڑتا ہوا وہ رنگِ بہار
ایک تصویر پرانی میں رہا

میں کہ معدوم رہا صورتِ خواب
پھر کسی یاد دہانی میں رہا

ڈھنگ کے ایک ٹھکانے کے لیے
گھر کا گھر نقلِ مکانی میں رہا

میں ٹھہرتا گیا رفتہ رفتہ
اور یہ دل اپنی روانی میں رہا

وہ مرا نقشِ کفِ پائے طلب
عہدِ رفتہ کی نشانی میں رہا

میں کہ ہنگامۂ یک خواب لیے
کوئی دن عالمِ فانی میں رہا

....

○

سر پہ اب سائباں نہیں ہے تو کیا
تو اگر مہرباں نہیں ہے تو کیا

تم کو کیا مل گیا، اِدھر ہم کو
فکرِ سود و زیاں نہیں ہے تو کیا

وہ مکاں، وہ گلی، وہ لوگ تو ہیں
کوئی اپنا، وہاں نہیں ہے تو کیا

یوں بھی کس شے کو ہے دوام یہاں
تیرا غم، جاوداں نہیں ہے تو کیا

جو مرے روز و شب کا قصّہ ہے
وہ تری داستاں نہیں ہے تو کیا

چیختا پھر رہا ہے، جو ہے یہاں
میرے بس میں زباں نہیں ہے تو کیا

ہے تو سب کچھ یہاں پہ وہم و گماں
اور وہم و گماں نہیں ہے تو کیا

حالِ دل کی خبر ہے تجھ کو تو پھر؟
تجھ پہ کچھ بھی عیاں نہیں ہے تو کیا

....

○

بس یونہی چپ ہیں، سبب کچھ بھی نہیں
پہلے کچھ تھا بھی تو اب کچھ بھی نہیں

ٹھیک ہے تہمتِ بے نامی بھی
طرۂ نام ونسب کچھ بھی نہیں

کوئی افسوس، نہ سرشاری ہے
چشمِ نم، خندۂ لب کچھ بھی نہیں

کوئی دن اور یہ سب کچھ ہے مرا
مجھے معلوم ہے، کب کچھ بھی نہیں

بے طریقہ ہی یہ دل مانگتا ہے
کچھ سلیقہ ہے، نہ ڈھب کچھ بھی نہیں

مل ہی جائے گا جو ملنا ہے ہمیں
اب خوشی ہے نہ طلب کچھ بھی نہیں

ناتوانی کا یہ ہنگامہ ہے
شورشِ غیض وغضب کچھ بھی نہیں

کوئی سنتا ہی نہیں ہے تو اے دل!
زاریِ آخرِ شب کچھ بھی نہیں

وہ بھی دیکھا جو نہ دیکھا تھا کبھی
اب جو ہو جائے، عجب کچھ بھی نہیں

پہلے کچھ تھا بھی تو کھو بیٹھے ہیں
خوب آئے ہو کہ جب کچھ بھی نہیں

....

○

پایا ہے اگر کچھ اُسے کھونا بھی ہے اک دن
ہنستے جو رہے ہیں، ہمیں رونا بھی ہے اک دن

اُس آنکھ میں بھرنا ہے ابھی رنگِ تمنّا
اِن اشکوں سے اُس دل کو بھگونا بھی ہے اک دن

گو داغ کچھ ایسے ہیں کہ جانے کے نہیں ہیں
ملبوسِ تمنّا ہمیں دھونا بھی ہے اک دن

فی الوقت تو ہیں عشق کی خوشبو سے ہراساں
ہاں خار کوئی دل میں چبھونا بھی ہے اک دن

جس خاک نے اک شور مچا رکھا ہے ہر سُو
اُس خاک کی چُپ میں ہمیں سونا بھی ہے اک دن

جن راہوں پہ ہم تم سے ملا کرتے ہیں ہر روز
ان راہوں میں آخر تمھیں کھونا بھی ہے اک دن

....

○

ہر دم، دمِ رخصت ہے مرے دوست، رہے یاد
ہم جاتے ہیں، جانے کا اشارہ نہیں کرتے

○

مارنے والا کوئی ہے کہ ہے مرنے والا
عکسِ ہر رنگ ہے آخر کو بکھرنے والا

جانے کس چیز کو کہتے ہیں مکافاتِ عمل
اور کرتا ہے کوئی، اور ہے بھرنے والا

خوف یوں تو ہیں بہت راہِ طلب میں لیکن
ڈٹ بھی جاتا ہے کسی موڑ پہ ڈرنے والا

چشم و دل کام میں لاؤ کہ ابھی مہلت ہے
اور کچھ دن میں یہ ساماں ہے بکھرنے والا

بے دلی، کارِ سہولت ہے، بس اب ترک کرو
اور دیکھو یہاں کچھ کام ہے کرنے والا

سیلِ گریہ ہے رواں چشم سے صحنِ دل تک
اور یہ طوفاں نہیں لگتا ہے اُترنے والا

عمر بھر ہم کو کسی یاد نے لوری دی ہے
اور یہ جھونکا بھی بالآخر ہے گزرنے والا

مان کر دیکھ لیا تجھ سے شناسائی کو
اس تعلق سے مگر اب ہوں مکرنے والا

خواب سارے ہیں بکھرنے کو، مگر خوابِ عدم
یہ فسوں کب ہے کسی سر سے اُترنے والا

تہ کرو بسترِ شب، موند لو خوابوں بھری آنکھ
دل کی لَو گُل کرو، سورج ہے اُبھرنے والا

خود گزر جاؤں کہیں جاں سے، یہ طے ہے لیکن
جان لے، میں ترے ہاتھوں نہیں مرنے والا

....

○

دیارِ خواب، رہِ رفتگاں سے دیکھتا ہے
کہ جیسے کوئی مجھے آسماں سے دیکھتا ہے

ضرور ہوگا کہیں، کوئی دیکھنے والا
مگر ہمیں وہ نہ جانے کہاں سے دیکھتا ہے

یہ دیکھنا ہی بڑی بات ہے، مگر یوں ہے
کوئی یقیں سے تو کوئی گماں سے دیکھتا ہے

یہاں کسی کی نظر کا کچھ اعتبار نہیں
کہ جو بھی دیکھتا ہے درمیاں سے دیکھتا ہے

میں بہتے پانی پہ جب آنکھ گاڑتا ہوں کبھی
بہ چشمِ نم، کوئی آبِ رواں سے دیکھتا ہے

ہے مرتکز جو کوئی آنکھ ماورائے حواس
تو کوئی بابِ زمان و مکاں سے دیکھتا ہے

ہم اُٹھ بھی آئے ہیں اس باغ سے مگر وہ ہمیں
تماشہ ہائے بہار و خزاں سے دیکھتا ہے

کدھر کو کھو گیا، جو ہم رکاب تھا اس کا
کوئی سوار ہے اور کارواں سے دیکھتا ہے

عدو تو خیر وہ ہرگز نہیں، مگر بوجوہ!
مجھے وہ دوست، صفِ دشمناں سے دیکھتا ہے

○

خواب تعبیر ہو رہے گا کہیں
رقص زنجیر ہو رہے گا کہیں

جو نہیں ہے کہیں گمان میں بھی
وہی تقدیر ہو رہے گا کہیں

باعثِ صد نشاط ربط ہے جو
وجہ تعزیر ہو رہے گا کہیں

دل کہ ڈالے گا ہم کو مشکل میں
اور تدبیر ہو رہے گا کہیں

ایسی عجلت، مآلِ خوابِ طلب
رنجِ تاخیر ہو رہے گا کہیں

سن کوئی دن، ابھی ہے نغمہ سرا
پھر وہ تصویر ہو رہے گا کہیں

ہنستا بستا ہوا یہ شہر نشاط
بابِ دلگیر ہو رہے گا کہیں

عمر بھر جو رہا نشانے پر
ایک دن تیر ہو رہے گا کہیں

ہے جو زندہ دلی کا ہنگامہ
غم کی تشہیر ہو رہے گا کہیں

....

○

(نذرِ مصحفی)

سرخوشی یا ملال تھا' کیا تھا
یہ جو اس دل کا حال تھا' کیا تھا

یا وہ اشکوں کا سلسلہ تھا کوئی
یا ستاروں کا جال تھا کیا تھا

وہ تو زخموں کا رنج تھا ہم کو
یہ غمِ اندمال تھا' کیا تھا؟

حشر ساماں تھی اک جھلک اُس کی
سحر تھا یا جمال تھا' کیا تھا

دل کو اک ہاتھ چھو کے گزرا ہے
یہ تمھارا خیال تھا، کیا تھا

جو کسی آنکھ میں لرزتا تھا
کیا وہ کوئی سوال تھا، کیا تھا

وہ نہیں تھا، پر اس کے ہونے کا
ہم کو کچھ احتمال تھا، کیا تھا

کچھ نہ اچھا کیا اگر ہم سے
وہ اگر خوش خصال تھا، کیا تھا

دمِ رخصت جو چُبھ گیا دل میں
خارِ خوابِ وصال تھا، کیا تھا

پوچھ سکتے ہیں تیری بستی میں
کیوں یہ جینا محال تھا، کیا تھا

○

نہ صحنِ گل سے، نہ دیوار و در سے خالی ہے
مرا یہ شہر، تری رہگزر سے خالی ہے

ابھی اُسے مرا رنگِ طلب پسند نہیں
ابھی وہ حسن بھی، حسنِ نظر سے خالی ہے

ابھی تو دھیان ہے اُس روئے خوشنما کی طرف
سو یہ دماغ ابھی شور و شر سے خالی ہے

یہی نہیں ہے کہ ہم کو نہیں پتا کچھ بھی
اُدھر وہ بابِ خبر بھی خبر سے خالی ہے

تری زمیں پہ مری خاک بے ٹھکانہ ہے
ترا فلک مرے شمس و قمر سے خالی ہے

سو راہِ عمر میں اس کے سلوک پر یہ کھلا
مری دُعائے محبت اثر سے خالی ہے

ترے کرم سے ہمیں کیا، کہ اب ہمارے لیے
ترا خزینہ بھی لعل و گہر سے خالی ہے

تہی ہے خواب کی خوشبو سے باغِ شب تو اُدھر
ہماری صبح بھی رنگِ سحر سے خالی ہے

اگرچہ خاکِ وطن اُڑ رہی ہے چاروں طرف
مگر یہ چشم کہ خوابِ سفر سے خالی ہے

فساد سے نہیں رغبت مگر یہ یاد رہے
یہ دل وہی ہے جو ہر ایک سے ڈر سے خالی ہے

ملالِ عصر کی صورت گری کہاں ہوگی
ترا ہنر کدہ، اہل ہنر سے خالی ہے

....

○

وقفِ آلامِ دو جہاں ہی رہا
دل تیری راہ میں رواں ہی رہا

وہ دمکتی شبیہ سامنے تھی
چشمِ تر میں مگر دھواں ہی رہا

کم نگاہی تری کہ دل تیرا
بدگماں تھا سو بدگماں ہی رہا

سو چکی تھیں وہ مہرباں آنکھیں
دل میں پھر رنجِ رفتگاں ہی رہا

دربدر ہی گزار دی ہم نے
سر میں سودائے رایگاں ہی رہا

داستاں ختم ہو گئی آخر
اور میں زیبِ داستاں ہی رہا

قصدِ راہِ عدم؟ نہیں مرے یار
جو ادھر کو گیا، وہاں ہی رہا

جو بھی تیری امان میں آیا
وہ تہی دست، بے اماں ہی رہا

....

○

ہم اک خوابِ وحشت سے بیدار ہو کر
نکل آئے دُنیا میں تیار ہو کر

پھر اُس قیدِ عزلت میں سر مارتے ہیں
ہم آدابِ محفل سے بیزار ہو کر

اب آ گے کہیں راہِ غفلت ہے شاید
یہاں تک تو آئے تھے ہشیار ہو کر

ہُوا تو بھی بے مہر دُنیا میں شامل
بہت دکھ دیے تُو نے غم خوار ہو کر

سو اے عرصۂ ہجر و کنجِ تمنا
اُسے کھو دیا ہے نگہ دار ہو کر

ہم اس چشمۂ زندگی سے گئے ہیں
گہے تشنہ لب، گاہ سرشار ہو کر

ہر اک آنکھ میں اب کھٹکنے لگے ہیں
ہم اُس کم نُما کے طلب گار ہو کر

سو اب ہیں سبک دوشِ خوابِ محبت
رہِ بندگی میں سبکسار ہو کر

اے چشمِ کرم، اب جو ہو حکم، حاضر
ترے سامنے ہیں گنہ گار ہو کر

....

اور جینے کی اب ہے صورت کیا
کچھ نہ کام آئے گی محبت کیا

جانے دنیائے خواب سے
پیش آئے ہمیں مصیبت کیا

ہم فقیروں سے آ ملیں گے کہیں
خاک ہوں گے نہ اہلِ حشمت کیا

دیکھ رکھے ہیں ہم نے دیوانے
ہم بھلا کیا، ہماری وحشت کیا

جو بھی ہم کو ملا، ملا ہی نہیں
زندگی بھی ہے راہِ فرقت کیا

بس فنا قائم و سلامت ہے
کیا ہے افلاس اور امارت کیا

کچھ بھی کھلتا نہیں ہمارے بیچ
فتح مندی ہے کیا، ہزیمت کیا

چھوڑ یہ وضع داریاں اپنی
اس تکلف کی ہے ضرورت کیا

تجھ پہ کچھ بس نہیں رہا ہے مرا
جا مرے دوست اب اجازت کیا

عشق میں بار کوئی پا نہ سکا
سعیِ ناکام میں ہے عزت کیا

....

○

جو بھی کچھ ہے کہیں دھوکا ہی نہ ہو
قربؔ فرقت کا اشارہ ہی نہ ہو

باہر آ کر کبھی دیکھو تو سہی
کوئی دہلیز پہ بیٹھا ہی نہ ہو

بے مروّت وہ نہیں ہے ایسا
شاید اس نے مجھے دیکھا ہی نہ ہو

کیا خبر گھر ہوں مگر شور نہ ہو
رنگ ہوں، رنگِ تماشا ہی نہ ہو

کچھ غرض اس میں نہ پنہاں ہو کہیں
تیرا غم بھی، غمِ دُنیا ہی نہ ہو

وصل یہ بھی نہ جدائی ہو کہیں
یہ جو اپنا ہے، پرایا ہی نہ ہو

محوِ غفلت! نہ وہ دن آئے کبھی
جب ترا چاہنے والا ہی نہ ہو

در و دیوار چمک اُٹھے ہیں
یہ ترے رُخ کا اُجالا ہی نہ ہو

کیا خبر دل ہو مگر رنج نہ ہو
آنکھ ہو اس میں نظارہ ہی نہ ہو

خواب سے جس نے جگایا ہے ہمیں
وہ کہیں نیند کا جھونکا ہی نہ ہو

جو بھی کہنا ہے وہ کہتا جاؤں
شاید اب لوٹ کے آنا ہی نہ ہو

....

○

اور کیا رہ گیا ہے ہونے کو
ایک آنسو نہیں ہے رونے کو

خواب اچھے رہیں گے ان دیکھے
خاک اچھی رہے گی سونے کو

تو کہیں بیٹھ اور حکم چلا
ہم جو ہیں تیرا بوجھ ڈھونے کو

چشمِ نم چار اشک اور ادھر
داغ اک رہ گیا ہے دھونے کو

بیٹھنے کو جگہ نہیں ملتی
کیا کریں اوڑھنے بچھونے کو

یہ مہ و سال چند باقی ہیں
اور کچھ بھی نہیں ہے کھونے کو

نارسائی کا رنج لائے ہیں
تیرے دل میں کہیں سمونے کو

آج کی رات جاگ لو یارو
وقت پھر حشر تک ہے سونے کو

یاد بھی تیری مٹ گئی دل سے
اور کیا رہ گیا ہے ہونے کو

....

○

کہیں پر صبح رکھتا ہوں، کہیں پر شام رکھتا ہوں
پھر اس بے ربط سے خاکے میں خود سے کام رکھتا ہوں

سلیقے سے مَیں اس کی گفتگو کا لطف لیتا ہوں
اور اس کے روبرو، دل میں خیالِ خام رکھتا ہوں

بظاہر مدح سے اس کی کبھی تھکتا نہیں لیکن
درونِ خانۂ دل، خواہشِ دشنام رکھتا ہوں

خوشی آئی ہے ابھی تو قیدِ خواہش اس خرابے میں
ابھی خود کو رہینِ گردشِ ایام رکھتا ہوں

سفر کی صبح میں رنجِ سفر کی دھول اُڑتی ہے
حدِ آغاز میں اندیشۂ انجام رکھتا ہوں

فراق و وصل سے ہٹ کر کوئی رشتہ ہمارا ہے
کہ اس کو چھوڑ پاتا ہوں نہ اس کو تھام رکھتا ہوں

دلیلِ خوابِ مستی ہے تری آمادگی امشب
مگر اس شب میں تجھ سے اور کوئی کام رکھتا ہوں

تجاوز سے بھلا کب تک گزر اوقات ممکن تھی
سو اپنے خون تک شورِ دلِ بدنام رکھتا ہوں

○

راہ دشوار بھی ہے، بے سروسامانی بھی
اور اس دل کو ہے کچھ اور پریشانی بھی

یہ جو منظر، ترے آگے سے سرکتا ہی نہیں
اس میں شامل ہے تری آنکھ کی حیرانی بھی

اپنے مجبور پہ کچھ اور کرم ہو کہ اُسے
کم پڑی جاتی ہے اب غم کی فراوانی بھی

صرف افسوس کا سایہ ہی نہیں ہے ہم پر
ہم کہ ہیں خوابِ تب وتاب کے زندانی بھی

بے نیازی کی وہ خو جیسے کبھی تھی ہی نہیں
خواب تھے جیسے وہ ایّامِ تن آسانی بھی

رہ تری چھوڑ کے کیوں جانبِ دُنیا آئے
ہم کو جینے نہیں دیتی یہ پشیمانی بھی

....

○

مجھے معلوم ہے اب کوئی نہیں ہے میرا
جہاں کوئی بھی نہیں، کوئی وہیں ہے میرا

○

کوئی سرشاری سی سرشاری ہے
نیند بھی عالمِ بیداری ہے

کام نمٹائے چلے جاتے ہو
کیا کہیں اور کی تیاری ہے

کوئے جاناں بھی ہمیں کھینچے ہے
اور یہ جاں بھی ہمیں پیاری ہے

ہم تجھے تجھ سے سوا مانگتے ہیں
یہ بھلا کیسی طلب گاری ہے

محوِ نظارہ ہے وہ آنکھ ابھی
سو تماشا بھی ابھی جاری ہے

جیتنا تجھ سے نہ چاہا' ورنہ
ہم نے بازی کوئی کب ہاری ہے

ہوش مندی کا صِلہ ہے شاید
یہ جو دیوانگی اب طاری ہے

گرد سی سر سے نکلتی ہی نہیں
جانے کس شے کی فسوں کاری ہے

اب اسے کوئی خوشی یاد نہیں
دل ترے غم سے بھی انکاری ہے

خیر دُنیا سے تو بچ نکلے تھے
تو نے جو وار کیا' کاری ہے

ہم ہیں اور طاعتِ بے معنی ہے
وہ ہے اور اُس کی نگہ داری ہے

....

○

نشۂ قرب سے سرشار کرے گا اک روز
وہ مجھے خواب سے بیدار کرے گا اک روز

وہ جو آئے گا ہمیں رہ پہ لگانے کے لیے
راہ کچھ اور بھی دشوار کرے گا اک روز

اک وہ قصہ کہ نہیں جس سے ہمیں ربط کوئی
ہم کو رسوا، سرِ بازار کرے گا اک روز

ہم نہیں ہیں، یونہی منہ پھیر کے جانے والے
دیکھ تو ہم کو گنہ گار کرے گا اک روز

عکسِ منزل سے وہ بھر دے گا یہ آنکھیں میری
پھر مری راہ کو دیوار کرے گا اک روز

وسعتِ دل میں کہیں آگ سی جل اٹھے گی
چاند اس دشت کو پھر پار کرے گا، اک روز

خوابِ خوش رنگ، شب و روز کی بے کیفی میں
ہم کو پھر تیرا طلب گار کرے گا اک روز

کھو کے رہ جائے گا آنکھوں میں ہر اِک رنگِ نشاط
دل ترے غم سے بھی انکار کرے گا اک روز

وہ خوشی ہے کہ رُلائے گی ہمیں آخرِ کار
وہم ایسا ہے جو بیمار کرے گا اِک روز

....

○

وہ دیکھیں گے ہم جو کبھی دیکھا نہیں ہوگا
آنکھیں اُسے ڈھونڈیں گی، تماشا نہیں ہوگا

اک خوابِ زمیں سے گھر بھر گئے سارے
اب کوئی یہاں نیند کا ماتا نہیں ہوگا

دل ہوگا، نہیں ہوگا، کسی یاد کا مسکن
سو بامِ طلب پر کوئی چہرہ نہیں ہوگا

ہم ہوں گے، نہیں ہوں گے، ترے شام وسحر میں
لیکن تجھے اس بات کا دھڑکا نہیں ہوگا

یہ سر کہ بھرا ہوگا فراوانیِ شب سے
پھر تا بہ اَبد دل میں اُجالا نہیں ہوگا

یہ خواب سا منظر ہے بس اک عمر کا مہماں
پھر حشر تلک اس کا نظارہ نہیں ہوگا

پھر کس لیے ہم زحمتِ اُمید اٹھائیں
اُس شہر میں جب کوئی بھی تجھ سا نہیں ہوگا

بھر جائیں گے اک روز سبھی گھاو ہمارے
اے دردِ محبت ترا چارہ نہیں ہوگا

○

بیٹھے بیٹھے جانے کہاں پر کھو جاتے ہیں
کبھی کبھی تو ہم دیوانے ہو جاتے ہیں

ہنس پڑتے ہیں کچھ اپنی بے حالی پر، پھر
رونا ہو تو اپنے حال پہ رو جاتے ہیں

کبھی اچانک اُمڈے چلے آتے ہیں آنسو
اور کچھ داغ جو اس دل پر ہیں، دھو جاتے ہیں

اور تو ہم کو کیا لینا دینا ہے کسی سے
جاتے ہوئے کوئی یاد دلوں میں سمو جاتے ہیں

جانے کہاں سے ظاہر ہو جاتے ہیں انساں
اور خدا معلوم کدھر کو کھو جاتے ہیں

اوروں کا سامان تو خیر اُٹھتا بھی کہاں ہے
بوجھ مگر اپنے حصے کا ڈھو جاتے ہیں

بن برسے گزرے ہی چلے جاتے ہیں بادل
کچھ کچھ پھر بھی ہر آنگن کو بھگو جاتے ہیں

آگ تھا تو، اور راکھ ہوا جاتا ہے آخر
تیرے لیے ہنستے بھی رہے اب رو جاتے ہیں

لڑتے رہتے ہیں آنکھوں کے عقب میں کسی سے
اور تھک ہار کے آخر ہم بھی سو جاتے ہیں

یاد آتے ہیں دوست کبھی پھولوں کی طرح سے
کانٹا سا کوئی تارِ نفس میں پرو جاتے ہیں

یہ دیوانگی سہی نہیں جاتی ہے تم سے
کہتے ہو تو اور کسی کے ہو جاتے ہیں

○

تم جس جگہ نہ ہو وہیں دیکھا کریں گے ہم
اب اپنے خواب کو نہیں رسوا کریں گے ہم

یہ سوچ کر خراب کیے جا رہے ہیں کام
جو کام بھی کریں گے وہ اچھا کریں گے ہم

اُس شہرِ گم شدہ میں جو تم ساتھ لے چلو
ہر طاق میں چراغ جلایا کریں گے ہم

آ بھی گیا تو آرزوئے وصل اب کسے
اب اور انتظار بھی کتنا کریں گے ہم

اک بارِ نارسائی نے جینے نہیں دیا
کیا اور اب کسی کی تمنا کریں گے ہم

یوں ساتھ چھوڑتے تو نہیں ہیں مگر چلو
تم چاہتے یہی ہو تو ایسا کریں گے ہم

ہر وصل پیشِ خیمۂ رنجِ فراق ہے
تُو ساتھ ہوگا اور تجھے ڈھونڈا کریں گے ہم

سر مستیِ جنوں سے تو بچنا محال ہے
تم دیکھنا کہ پھر سے تماشا کریں گے ہم

آخر یہ داغِ دل ہے، چمکنا تو ہے اسے
ایسا بھی اب نہیں ہے کہ چرچا کریں گے ہم

سرتا قدم سوال ہیں، اب اور کیا کریں
مت جان تجھ سے کوئی تقاضا کریں گے ہم

اب اور خاک ہونے کی ہمت نہیں مگر
جو عہد کر چکے ہیں، وہ پورا کریں گے ہم

....

○

آنکھ جو آج کہیں ٹھیک سے رُکتی بھی نہیں
کیا خبر کل وہ تری دید کے قابل ہو جائے

○

اب کیا کہیں وہ خوابِ خود آگاہ کیا ہوئے
وہ رت جگے وہ سال تو کب کے ہَوا ہوئے

اڑتے پھرے ہیں مثلِ غبارِ مہِ تمام
اترے تری گلی میں، تری خاکِ پا ہوئے

ہاں تیری جستجو بھی کریں گے، مگر یہاں
عمرِ گریز پا سے جو لمحے جدا ہوئے

دل سے گزر رہی تھی ہوائے خبر، سو ہم
بن کر درِ خیال، تری سمت وا ہوئے

بے مائیگی یہی تری طاقت رہی کہ ہم
دُنیائے عزو جاہ میں عبرت کی جا ہوئے

....

○

ایک تصویر کا ملبہ ہے پڑا
اور کمرے میں ہَوا ہے باقی

○

ہماری دسترس میں کیا نہیں ہے
مگر کوئی ترے جیسا نہیں ہے

وہ کیا خوابِ محبت تھا کہ ہم نے
پھر اس کے بعد کچھ دیکھا نہیں ہے

ابھی اُس ابر سے آنکھیں ہیں خالی
ابھی اُس یاد نے گھیرا نہیں ہے

نہیں اوڑھی ردائے سرخوشی بھی
لباسِ درد بھی پہنا نہیں ہے

یہ مٹّی ہے تو اُڑتی کیوں نہیں ہے
یہ دریا ہے تو کیوں بہتا نہیں ہے

یہ بستی ہے تو کیوں جاگی نہیں ہے
یہ جنگل ہے تو کیوں مہکا نہیں ہے

کبھی میں جا نکلتا ہوں اُدھر بھی
سو وہ رشتہ ابھی ٹوٹا نہیں ہے

یہ رخنہ وقت نے ڈالا ہے اب کے
ہمارے درمیاں دُنیا نہیں ہے

تو کیا یہ شہر ہے شہرِ خموشاں؟
یہاں میری کوئی سنتا نہیں ہے

جو حالت تھی بتا دی صاف ہم نے
ہمارا آپ سے پردہ نہیں ہے

کوئی دن یاد آئے گی ہماری
ابھی اس خاک کو اُڑنا نہیں ہے

جو تھی روزِ ازل سے مجھ پہ طاری
فسوں اُس نیند کا ٹوٹا نہیں ہے

....

○

وہ نہ ہوگا بام پر، ہُوں دربدر کس کے لیے
جب سفر میں کچھ نہیں، قصدِ سفر کس کے لیے

جب حدِ امکاں میں ہی اڑنا بھی ہے، چلنا بھی ہے
پاؤں پھر کس کے لیے ہیں، بال و پر کس کے لیے

ہم بکھرنے کے لیے ہیں، تم پہنچنے کے لیے
منزلیں کس کے لیے ہیں، رہگزر کس کے لیے

بابِ غفلت کس نے کھولا، لوٹ کر آیا ہے کون
رائیگاں ہیں منتظر، وہ بام و در کس کے لیے

کس کے لب پیاسے ہیں تیری بارشوں کے، میرے دل
اب بھری رہتی ہے تُو اے چشمِ تر کس کے لیے

جب تری دیوار ہی ہم کو میسر اب نہیں
پھر لیے پھرتے ہیں یہ سودائے سر کس کے لیے

میں تو ذرہ ہوں، فنا کی دھول میں کھو جاؤں گا
جب نہیں میرے لیے تو بحر و بر کس کے لیے

جانے والے بھول جاتے ہیں، کسے چھوڑ آئے ہیں
خاک چھانیں کیا، رہیں ہم نوحہ گر کس کے لیے

جب ہمیں ہی ساتھ لے کر چل نہیں سکتی کہیں
پھر بھلا یہ گردشِ شام و سحر کس کے لیے

خواب سے ٹوٹ نہ جائے یہ بھرم آنکھوں کا
نیند کے دشت میں پہلا ہے قدم آنکھوں کا

دل کشادہ نہیں اتنے کہ سنبھالیں آنسو
آ کے پلکوں پہ ٹھہر جاتا ہے نم آنکھوں کا

ہر رفاقت کو کہاں خوابِ مسلسل ہے نصیب
ٹوٹ جاتا ہے کبھی ربطِ بہم آنکھوں کا

اِک مسلسل رُخِ بیمار ہے تا حدِ نظر
ہم سے دیکھا نہیں جاتا ہے یہ غم آنکھوں کا

طبعِ ناخوش کے لیے رنگ اُٹھا لاتی ہیں
دلِ بے مایہ پہ ہے یہ بھی کرم آنکھوں کا

اک اَبد خواب کی خوشبو میں بسا رہتا ہے
دھند میں سویا ہوا باغِ عدم آنکھوں کا

....

○

اس سے ملنے کا اشارا ہی نہیں کرتا ہے
خوابِ ہستی ہمیں بھایا ہی نہیں کرتا ہے

مل تو لیتا ہے وہ ہر روز، مگر میرے لیے
اہتمامِ شبِ وعدہ ہی نہیں کرتا ہے

ہر گھڑی ساتھ لگا رہتا ہے سائے کی طرح
دھیان اس کا کہیں تنہا ہی نہیں کرتا ہے

کیا علاج اس کا کہ مائل بہ طلب دل تیرا
تنگ دستی کو گوارا ہی نہیں کرتا ہے

تو ہے کس زعم میں اے خواب فراموش مرے
دل تو اب کوئی تقاضا ہی نہیں کرتا ہے

کچھ اندھیرے بھی بچھا جاتا ہے ہر آنگن میں
چاند ہر گھر میں اُجالا ہی نہیں کرتا ہے

ہو سکیں ہم بھی بہم، ماضی و فردا سے کہیں
غمِ موجود کنارہ ہی نہیں کرتا ہے

....

○

یہ قربت فاصلہ ہونے کو ہے پھر
کہ منزل راستہ ہونے کو ہے پھر

غبارِ خواب چھٹتا جا رہا ہے
ہمیں اپنا پتا ہونے کو ہے پھر

نہ جانے کون کس کے کام آئے
نہ جانے کیا سے کیا ہونے کو ہے پھر

یہ دل جس چشم سے ڈرتا بہت ہے
اسی کا سامنا ہونے کو ہے پھر

ابھی پہلی مصیبت کم نہیں تھی
درِ آفات وا ہونے کو ہے پھر

چلو جرمِ طلب ہم نے کیا ہے
چلو ہم کو سزا ہونے کو ہے، پھر؟

جسے یہ آنکھ پھر سے دیکھتی ہے
وہی اک سانحہ ہونے کو ہے پھر

○

جستجو، خوابِ جستجو ہی نہ ہو
دھیان میں پھر وہ خوبرو ہی نہ ہو

ختم ہونے میں آئے کام یہ اب
آرزو ہے کہ آرزو ہی نہ ہو

کہتا پھرتا ہوں ساری دنیا سے
بات جو تیرے روبرو ہی نہ ہو

کیوں نہ پھر تشنہ لب کریں وحشت
جب کہیں گردشِ سبو ہی نہ ہو

جو نہ آتش نصیب ہو، نہیں دل
گل ہے کیا جس میں رنگ و بو ہی نہ ہو

تو جو چاہے تو استوار ہوں میں
میں بھلا کیا، کہیں جو تو ہی نہ ہو

زمزمہ کیا جو زیرِ لب ہی رہے
وہ صدا کیا، جو چار سو ہی نہ ہو

○

تھکن سے چور، شکستِ شبِ وصال کے بعد
خموش بیٹھا ہوں اِک عمر کے زوال کے بعد
پھر اس کے بعد کہا زندگی نے 'چپ رہنا!
کوئی سوال نہ تھا' اوّلیں سوال کے بعد

○

دیارِ کبر و ریا میں کمال میں نے کیا
کہ اعتبارِ رہِ دل بحال میں نے کیا

وہ خوش ہوا کہ مرے زخم بھر گئے آخر
یہ ایک میں کہ غمِ اندمال میں نے کیا

ترے لیے دلِ بے داغ کیسے لاتا میں
گریز تجھ سے سوائے خوش خصال، میں نے کیا

وہ جوش و وحشت و بیگانگی کا عالم تھا
خجل بہت ہوں کہ اس کا یہ حال میں نے کیا

کسے نصیب ہے آخر دوامِ مہلتِ دید
شبیہ و خوابِ ازل سے سوال میں نے کیا

وہ شام شامِ الم تھی، سو اپنی آنکھوں میں
چراغِ خواب جلائے، ملال میں نے کیا

....

○

ہم پہ کچھ دل کا حال کھولو نا
کیا تمھیں ہو گیا ہے، بولو نا

کیوں کھڑے دیکھتے ہو مُنہ سب کا
تم بھی دُنیا کے ساتھ ہولو نا

ایسے گم سم ہو، جیسے زندہ نہیں
کچھ تو دیکھو، کہیں تو بولو نا

ہنس بھی لیں گے کہ وقت آئے گا
دل گرفتہ بہت ہو، رو لو نا

جاگ لینا' میں سو گیا جس دم
میں ابھی جاگتا ہوں، سو لو نا

ٹیس بن یہ سفر نہیں کٹتا
خار کوئی' کہیں چبھو لو نا

تم کو مل جائیں گے جواب سبھی
اپنے دل کو کبھی ٹٹولو نا

مہرباں ہے وہ مثلِ ابرِ کرم
اپنی خفّت کا داغ دھولو نا

غم جو آنکھوں میں لے کے پھرتے ہو
اس کو لفظوں میں اب سمو لو نا

پھر تو سب خاک ہو ہی جائے گا
خوابِ ہستی میں آنکھ کھولو نا!

....

○

ایسا بھی نہیں ہے کہ ضرورت نہیں بابا
ہاں جاں پہ وہ پہلی سی مصیبت نہیں بابا

ہم آگ کو سینے سے نکلنے نہیں دیتے
جو تجھ کو پہنچتی ہے وہ حِدّت نہیں بابا

یہ ہم جو ذرا بُجھ سے گئے ہیں، سبب اس کا
پژمردگیِ دل ہے، ہزیمت نہیں بابا

مائل بھی اگر ہوں تو نہیں کہتے کسی سے
اب عرضِ تمنا میں وہ لذت نہیں بابا

ہم تیری طرف یوں ہی چلے آتے ہیں ہر روز
کیوں جان کو آتا ہے، محبت نہیں بابا

اب جی تو لگانا ہے کسی رنگ بھی ہم نے
اس شخص میں کچھ تیری شباہت نہیں بابا

پہنچے تو ترے در پہ، جو آگے ہوا، اُس پر
افسوس تو بے شک ہے، ندامت نہیں بابا

جب دل کا نہیں دھیان، تو رکھ پاس مروّت
جو تُو ہمیں دیتا ہے، وہ عزت نہیں بابا

ہر شام ہُوا کرتی ہے کب شامِ غریباں
ہر روز یہاں روزِ قیامت نہیں بابا

اب جبرِ مشیت سے یہاں کس کو مفر ہے
زندہ ہیں تو یہ تیری عنایت نہیں بابا

کچھ خاک تو ہم ساتھ بھی لے جائیں گے ہر طور
ہر چیز یہاں تیری امانت نہیں بابا

○

پھول تو اب بھی صحنِ چمن میں کھلتے ہیں
لیکن ہم خوشبو کا ٹھکانا بھول گئے

○

میں چلنے کو تو چلتا جا رہا ہوں
مگر یوں ہے کہ بکھرا جا رہا ہوں

چھپا بیٹھا ہوں اپنے آپ میں اور
کئی جانب سے دیکھا جا رہا ہوں

ہے رودادِ فریبِ آرزو بس
میں جس قصّے سے بہلا جا رہا ہوں

دیارِ خواب سے نکلا ہوں جب کا
تو گھر کی سمت دوڑا جا رہا ہوں

کہیں پر ہو رہوں گا سنگِ منزل
ابھی تو گرتا پڑتا جا رہا ہوں

کوئی نخلِ محبت بھی کہیں ہو
رہِ دنیا میں جھلسا جا رہا ہوں

حدِ امروز سے گھبرا کے آخر
سرِ کوئے گزشتہ جا رہا ہوں

تلاطم کہہ رہا ہے مجھ سے، اب میں
کناروں سے نکلتا جا رہا ہوں

کبھی اُن کا غرورِ خواب بھی تھا
میں جن نظروں سے گرتا جا رہا ہوں

○

وہی ہم ہیں، وہی رستہ ہمارا
سفر کیا طے نہیں ہوگا ہمارا

محبت اور خوشی کی رہ گزر پر
گلِ ہستی اگر کھلتا ہمارا

بکھر کر رہ گئی ہے بزمِ یاراں
سنے گا کون اب قصہ ہمارا

وہ کشتی کس کنارے جا لگی ہے
بلاتا ہے جسے دریا ہمارا

کوئی صورت نہیں سیرابیوں کی
ہے بادل سے بڑا صحرا ہمارا

تعلق ٹوٹ ہی جانے تھے آخر
مگر تجھ سے جو تھا رشتہ ہمارا

نہیں کہتے کوئی گر پوچھ لیتا
کسی نے حال کب پوچھا ہمارا

تو پھر کچھ کھینچ بھی اس دل کو پڑتی
اگر رستہ کوئی تکتا ہمارا

تو پھر بے دام بھی دل دل سے ملتے
اگر سِکہ کہیں چلتا ہمارا

اب اس کی نیند ہی بکھری پڑی ہے
کسی نے خواب کیا دیکھا ہمارا

ان آنکھوں میں وہ پہلی سی چمک ہے
پرانا ہو گیا چہرہ ہمارا

بہت وقفِ غمِ دُنیا ہوئے ہیں
بھلا بیٹھے ہیں، غم کیا تھا ہمارا

دلوں سے چاندنی بہنے لگی ہے
پڑا ہے جس جگہ سایہ ہمارا

صدا تو کر چلے ان بستیوں میں
چلو خالی سہی کاسہ ہمارا

جہاں کوئی شناسا بھی نہیں ہے
وہاں ہوگا کبھی چرچا ہمارا

....

○

کیا جانیے کیا ہے حدِ ادراک سے آگے
بس خاک ہے اس تیری مری خاک سے آگے

ہے شورِ فغاں، خامشیِ مرگ کے پیچھے
اک تیز ہوا ہے خس و خاشاک سے آگے

ہم دیکھتے ہیں آنکھ میں سہمے ہوئے آنسو
اک چپ ہے کہیں خندۂ بے باک سے آگے

اک رنگ سا ہے، رنگِ تمنا سے مماثل
اک ابر سا ہے دیدۂ نم ناک سے آگے

میں اپنے کسی خواب کی منہ زور ہوا میں
اکثر ہی نکل جاتا ہوں افلاک سے آگے

کیا شور کریں گریۂ عُشّاق سے بڑھ کر
کیا زور کریں پیرہنِ چاک سے آگے

....

○

عزت نہیں رہی، کوئی ذِلت نہیں رہی
اب یاں کسی کی بھی کوئی وقعت نہیں رہی

وہ خواب ہے کہ رات میں جس کا نہیں سراغ
وہ نیند ہے کہ سونے کی عادت نہیں رہی

منظر وہ ہے کہ آنکھ جھپکتا نہیں کوئی
حیرت وہ ہے کہ سر پہ قیامت نہیں رہی

آسایشوں میں ڈوب گئی فرصتِ نظر
رُخ پر دوامِ ہجر کی رنگت نہیں رہی

اب کیا دروغ گوئی کرے گا کوئی یہاں
جب معتبر کوئی بھی روایت نہیں رہی

ہم بے نیازِ شام و سحر کیا ہوئے کہ پھر
درکار کوئی مُدّت و مہلت نہیں رہی

ہم دستِ التفات کو چھونے سے بھی گئے
سو یہ کھلا کہ اس کی ضرورت نہیں رہی

پھر بابِ ہجر و وصل کو کیا کھولتے پھریں
جب قصدِ کوئے یار کی ہمت نہیں رہی

ہاں اے چراغِ یادؔ لہو سرد پڑ گیا
ہاں دوستو کہ دل میں وہ طاقت نہیں رہی

وہ رنج ہے کہ آنکھ میں آنسو بھی اب نہیں
وہ دکھ ہوا کہ دل میں عداوت نہیں رہی

بے مایگی کی خیر، ہمیں کچھ خبر نہیں
کس کس کی تیرے شہر میں عزت نہیں رہی

....

○

مرحلے رنج کے سر کرتا ہوں
جانبِ مرگ سفر کرتا ہوں

پہلے الزام اٹھاتا ہوں کوئی
پھر زمانے کو خبر کرتا ہوں

کام جو سب نے کیے ہیں ان کو
میں بہ اندازِ دگر کرتا ہوں

عمر کچھ خواب میں بیتی، اور کچھ
بے خیالی میں بسر کرتا ہوں

لوٹ جاتا ہوں محبت کی طرف
جب بھی دُنیا پہ نظر کرتا ہوں

رو کے رکتی نہیں جب یورشِ غم
تیری چاہت کو سپر کرتا ہوں

پہلے دیوار گراتا ہوں کوئی
پھر اُسے راہگذر کرتا ہوں

سہما رہتا ہوں بہت اندر سے
بات بے خوف و خطر کرتا ہوں

جی مچلتا ہے فراغت کے لیے
کام کوئی بھی اگر کرتا ہوں

ایک جاں کاہ تعلق لے کر
تیری دُنیا سے گزر کرتا ہوں

....

○

مُند گئی ہیں آنکھیں بھی، ختم ہے تماشا بھی
خواب ہو گیا ہم کو اب تمھارا قصّہ بھی

ایک نام میرا بھی، جو نظر نہیں آتا
تو بہت اکیلا بھی، تیرے ساتھ دُنیا بھی

کس لیے تماشا ہے، ہم اگر نہیں موجود
کون دیکھ پائے گا، کیا کسی نے دیکھا بھی

رُت بدل تو جائے گی، آنکھ بھر تو آئے گی
نشۂ رفاقت میں، دل کو ہے یہ دھڑکا بھی

ایک سا تلاطم ہے، دل سے ساحلِ جاں تک
آنکھ کو نہیں ہوتا، اب تو کوئی دھوکا بھی

تو نے جس طرح چاہا، مجھ کو نقش پہنائے
کیا عجب بگڑ جائے، اب جو تیرا چہرہ بھی!

ہم بھی بھول جائیں گے، عرصۂ محبت کو
ہاں ہمیں بھلا دے گی، ایک دن یہ دُنیا بھی

....

○

دل میں اب یہ ملال رہتا ہے
ہم ہیں اور کاروبارِ دُنیا ہے

بے طلب بھی جیا نہیں جاتا
آرزو سے بھی دم نکلتا ہے

بے خبر ہو، تمھیں پتا ہی نہیں
ہاں مگر، میں نے اس کو دیکھا ہے

وصل تو خیر وصل ہے پھر بھی
دل ترے ہجر کو ترستا ہے

دھیان میں کس کے ہے وہ چشمِ کرم
یہ دریچہ کدھر کو کھلتا ہے

آنکھ ہے جس میں اشک رہتے ہیں
دل ہے جس میں تری تمنا ہے

دیکھ میں ہر گھڑی ہوں پاس ترے
روز مجھ سے کوئی یہ کہتا ہے

کون آیا ہمارے بعد یہاں
کون اب اس گلی میں رُسوا ہے

کس کے ماتم کا اب ہے شور یہاں
اب یہاں کون ہاتھ ملتا ہے

....

○

جب تو مرا ہم سبو نہیں ہے
مَیں مَیں نہیں، تو بھی تو نہیں ہے

یہ گل ہیں مگر مہک سے خالی
یہ رنگِ نمو، نمو نہیں ہے

دیکھا ہے مآلِ آرزو بھی
اب کوئی بھی آرزو نہیں ہے

یہ آئینہ ہے اور ہی کہیں کا
دُنیا مرے روبرو نہیں ہے

کیا تیری مثال مل سکے جب
مجھ جیسا بھی ہُو بہُو نہیں ہے

سر میں ہے فسادِ دشت گردی
ویسے کوئی جستجو نہیں ہے

یہ اور ہی ڈھنگ کی ہیں باتیں
تجھ سے تو یہ گفتگو نہیں ہے

....

○

یہ بھی تو کمال ہو گیا ہے
ظاہر وہ جمال ہو گیا ہے

جس کام میں ہم نے ہاتھ ڈالا
وہ کام محال ہو گیا ہے

گزری ہوئی عمر کا ہر اک پل
مِنّت کشِ حال ہوگیا ہے

دل کون سا تازہ دم تھا پہلے
اب اور نڈھال ہوگیا ہے

کچھ روز جو دن پھرے ہیں اپنے
وہ شاملِ حال ہو گیا ہے

جو خواب سے، خون سے کمایا
وہ مفت کا مال ہو گیا ہے

یہ دیکھ، کہ تیرے سامنے کون
سرتاپا سوال ہوگیا ہے

اے خوفِ زوال تیرے ہاتھوں
سب رُو بہ زوال ہو گیا ہے

....

○

بوند جو دل میں گری وہ اور ہے
آسماں پر ابر پارہ اور ہے

آتشِ کبر و ریا کچھ کم نہ تھی
تیری تلخی کا شرارہ اور ہے

وقت قیدِ روز و شب سے ماورا
جو لیے جاتا ہے دھارا اور ہے

....

○

اور اب کہتا ہوں بے خوفی سے ڈر جاتا
میں شام اتر آنے سے پہلے گھر جاتا

کچھ بھی تو نہیں جو بھول نہیں جاتا مجھ کو
تو آنکھوں تک آیا، دل میں بھی اتر جاتا

اک وہ بھی جس نے رنج سوا ہمیں کچھ نہ دیا
کوئی اور جو ہوتا، کاسۂ عمر کو بھر جاتا

اک چپ جس نے تہمت نہ اٹھانے دی ہم کو
ہم بول اٹھتے تو زعمِ عرضِ ہنر جاتا

اب لوٹ آنا بھی کچھ بے کار سا لگتا تھا
ہم جاتے، ساتھ ہمارے رنجِ سفر جاتا

کبھی ڈھنگ سے رخصت بھی تو نہ کر پائے تجھ کو
تو رک نہیں سکتا تھا تو یہ دل ہی ٹھہر جاتا

○

اب وصل کی خواہش تو رَوا ہے مرے خوش رُو
ہم حد سے زیادہ کی تمنا نہیں کرتے

○

تو ہے، دل میں تری محبت ہے
اور کس چیز کی ضرورت ہے

ہم تہی دست ہیں سراپا طلب
اور ہر شے کی ایک قیمت ہے

تم جہاں ہم سے مل رہے ہو وہاں
دور تک عرصۂ قیامت ہے

تم جہاں پھول چننے آئے ہو
خوشبوؤں کی وہاں سے ہجرت ہے

کم نظر ہم نہ تھے، مگر یوں ہے
یہ جو دنیا ہے، اس میں رغبت ہے

ہم نہیں تیرے بندگاں میں تو کیا
تیرے قبضے میں ایک خلقت ہے

یہ اسیری نہیں، رہائی نہیں
یہ تو کچھ اور ہی مصیبت ہے

دل نہیں، دل میں اب وہ غم بھی نہیں
اور اس پر ہمیں ندامت ہے

کھول دے آنکھ، دیکھ لے تو بھی
جو تری نیند میں کرامت ہے

....

○

مہلتِ یک نفس دوبارہ نہیں
دیکھ یہ سلسلہ ہمیشہ نہیں

رونقیں سب ہمارے دم سے ہیں
ہم نہیں ہیں تو پھر تماشا نہیں

تب ترے بن نہ جی سکے تھے ہم
اب ترا دھیان بھی گوارا نہیں

ایک دُنیا کہ جانتی تھی ہمیں
ہاں مگر تو نے ہم کو جانا نہیں

ہم تماشا تھے، ہم تماشائی
دیکھنے والے، تو نے دیکھا نہیں!

چلے جاتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں
اس زمیں سا کوئی ٹھکانا نہیں

رسمِ افسوس اُٹھ گئی شاید
اب کے کوئی بھی دل گرفتہ نہیں

حیف اے بحرِ خود فراموشی
اب کہیں یاد کا جزیرہ نہیں

دو گھڑی ہنس کے بات کر ہم سے
زندگی کا کوئی بھروسا نہیں

....

○

تواتر سے یہ فرصت ہے میسّر
ابھی دل کو محبت ہے میسّر

تمھیں جو بھی میسر ہو، ہمیں کیا
ہمارے گھر کو راحت ہے میسّر

ترے دم سے سرافرازی ملی تھی
ترے ہاتھوں ہزیمت ہے میسّر

کہاں تک عرصۂ محشر رہے گا
کہاں تک یہ قیامت ہے میسّر

میسّر ہے دلِ بے خواب ہم کو
کہ جب تک خوابِ غفلت ہے میسّر

ابھی یہ شور تھمنے کا نہیں ہے
ابھی سانسوں کی تہمت ہے میسّر

اذیّت ہے میسّر اس کا ہونا
یہ ہونے کی جو ذلّت ہے میسّر

ترے زیرِ نگیں تب تک رہیں گے
کہ جب تک استطاعت ہے میسّر

ردائے خاک میں یا خواب میں ہیں
ہمیں کیسی محبت ہے میسّر!

....

○

دل کبھی میرے بس میں تھا کہ جو ہے
یہ پرندہ قفس میں تھا، کہ جو ہے

عمر بھر جس نے بات مانی ہے
وہ مری دسترس میں تھا کہ جو ہے

ایسے چپ ہو گئے کہ سوچتے ہیں
شور تارِ نفس میں تھا کہ جو ہے

جو اشارہ غبارِ راہ میں تھا
وہ صدائے جرس میں تھا کہ جو ہے

حال جو اس برس ہوا، اُس کا
دھیان پچھلے برس میں تھا کہ جو ہے

جو مزہ عشق میں ملا ہم کو
وہ ہوا و ہوس میں تھا کہ جو ہے

وہ مرا خوابِ رفتہ و موجود
وقت کے خار وخس میں تھا کہ جو ہے

آخرِ کار ہار مان گئے
فائدہ پیش و پس میں تھا کہ جو ہے

○

راستے دشوار ہوتے جا رہے ہیں
حوصلے بیمار ہوتے جا رہے ہیں

وہ جو میری راہ میں بچھتے رہے تھے
اب وہی دیوار ہوتے جا رہے ہیں

آنکھ بھر کر ہم انہیں تکتے نہیں تھے
جو ہمیں درکار ہوتے جا رہے ہیں

ایک تجھ سے ہی یہ اکتاہٹ نہیں ہے
خود سے بھی بے زار ہوتے جا رہے ہیں

جن میں ہنستے کھیلتے گزرا تھا ہر پل
گھر وہ اب مسمار ہوتے جا رہے ہیں

پاؤں دلدل میں اترتے جا رہے ہیں
ہم زمیں پر بار ہوتے جا رہے ہیں

جانی انجانی منازل کے لیے پھر
قافلے تیار ہوتے جا رہے ہیں

خاک اُڑنے لگی ہے اب، شاید
نقش معلوم کا، رہے نہ رہے

اک نگاہِ کرم اِدھر بھی کہ پھر
یہ وفا، یہ جفا رہے نہ رہے

نیک و بد ایک ہوں، خدا معلوم
کچھ برا، کچھ بھلا رہے نہ رہے

ہاتھ جیسے ہے کوئی شانے پر
اور یہ آسرا رہے نہ رہے

....

کیا خبر ابتدا بھی ہو معدوم
کیا خبر انتہا رہے نہ رہے

بزمِ یاراں میں دن گزار کوئی
جانے یہ سلسلہ رہے نہ رہے

کس کو معلوم استوار ہو کیا
کون جانے کہ کیا رہے نہ رہے

آ نکلتے ہیں سیرِ دُنیا کو
پھر یہ موجِ ہوا رہے نہ رہے

سو ہی جائیں گے ہم بھی بالآخر
تو بھی پھر جاگتا رہے نہ رہے

کام لے کچھ، نہ جانے دل میرا
پھر کسی کام کا رہے نہ رہے



Design
0333-4349801

بھر لائے ہیں ہم آنکھ میں رکھنے کو مقابل
اک خوابِ تمنا، تری غفلت کے برابر